اسلام میں موسیقی کے حلت کے دلائل اور ان کا جائزہ

قرآن سے استدلال

قرآن میں ہے:﴿ وَاٰتَيْنَا دَاوُدَ زَبُوْرًا ﴾ اس آیت کی تشریح اور تائید میں بائبل میں سے زبور کی یہ عبارت پیش کی گئی ہے:

''نرسنگے کی آواز کے ساتھ اس کی حمد کرو۔ بربط اور ستار پر اس کی حمد کرو، تاردار سازوں اور بانسری کیساتھ اس کی حمد کرو، زور سے جھنجھناتی جھانجھ کے ساتھ اس کی حمد کرو۔''(زبور باب ۱۵۰ آیت ۳ تا ۵)

حضرت داؤد علیہ اسلام کو زبور عطا کی گئی۔اس کے لفظی معنی ہیں پارے اور ٹکرے کے اور اس میں اللہ کی حمد و ثنا، انسانی عبدیت اور عجز کے اعترافات، پند و قصائص اور بصائر حکم کے مضامین تھے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی سورہ الانبیا آیات ۷۹ تا ۸۰ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت داؤد کبھی بھی جنگل میں نکلتے تو اللہ کو یاد کرتے۔خوف الٰہی سے روتے، تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے اور اپنی ضرب المثل خوش آوازی سے زبور پڑھتے، اس کی عجیب و غریب تاثیر سے پہاڑ بھی ان کے ساتھ تسبیح کرنے لگتے اور پرندے بھی ان کے گرد جمع ہو کر اسی طرح آواز کرتے۔''

مفتی شفیع لکھتے ہیں کہ

''پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح حضرت داؤد علیہ اسلام خاص انعام تھا۔ظاہر ہے تسبیح کو عام سننے والے بھی سمجھتے تھے اور ثابت ہوتا ہے کہ یہ آواز بازگشت کے طور پر نہیں تھی۔ بازگشت کا تعلق کسی فضیلت سے نہیں وہ تو ہر شص کے لیے ہے اس کے لیے نبی سے کیا تخصص تھا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا ایک معجزہ تھا جو حضرت داؤد علیہ اسلام پر وارد ہوا۔''

ان آیات کا مولانا مودودی ترجمہ یوں کرتے ہیں:

''داؤد کے ساتھ ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کیا تھا، اس فعل کے کرنے والے ہم ہی تھے۔''

غرض کوئی مفسر یہ بیان نہیں کرتا کہ خاکم بدہن حضرت داؤدؑ موسیقی کا استعمال اپنی تلاوت میں کیا کرتے تھے۔ مفتی شفیعؒ کی کتاب اسلام اور موسیقی میں ایک مضمون ''مزامیر داؤد'' کے نام سے کتاب کے مرتّبِ جدید (شارح) جناب محمد عبد المعز نے صفحہ نمبر ۴۰۴ پر قائم کیا ہے۔ یہاں انہوں نے دو روایات بیان کی ہیں۔ شارح بخاری علامہ بدرالدین عینی محدث حنفی اور حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں

''عبید بن عمر سے روایت ہے کہ سیدنا داؤدؑ کے پاس ایک باجا تھا، جس پر وہ گایا کرتے تھے اور روتے تھے اور رلاتے بھی تھے۔''

اسی طرح قاضی شوکانیؒ اپنے رسالہ سماع میں لکھتے ہیں

''عبدالرزاق اپنی مسند میں سند صحیح سے عبداللہ بن عمرؓ کی روایت لکھتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ اپنے باجے کو بجا بجا کر اس پر تلاوتِ زبور کیا کرتے تھے۔''

مفتی صاحب فرماتے ہیں:

''حق وصداقت معلوم کرنے کے صحیح ترین ذرائع قرآن وحدیث بیان کرتے ہیں۔ اس لیے قرآن وحدیث اور اجماع امت سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام معصوم ہوتے ہیں اور اللہ اپنے برگزیدہ بندوں کو اس قسم کے گناہوں کی آلودگی سے محفوظ رکھتا ہے۔''

اوپر بیان کی گئیں دونوں روایات کے بارے میں مفتی صاحب فرماتے ہیں

''اول تو اس امر کی کوئی دلیل نہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبید بن عمیر کے الفاظ ہیں کیوں یہ روایت منقطع ہے، دوسرے یہ کہ اس روایت کے راوی عبید بن عمیر ایک قصہ گو قسم کے آدمی تھے۔ ابن الحجرؒ ان کو ''قاص اہل مکہ'' یعنی ''مکہ کے قصہ گو'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ لہٰذا ظاہر یہی ہے کہ حضرت داؤد کی طرف سے باجے کی نسبت ایک اسرائیلی قصہ ہے جس کی کوئی سند نہیں۔ رہی قاضی شوکانیؒ کی روایت جو

حضرت ابن عمرؓ کی سند بحوالہ عبدالرزاق نقل کی گئی ہے، سو اس کے بارے میں تحقیق یہی ہوئی ہے کہ اس میں تحریف ہوئی ہے، ورنہ درحقیقت وہ روایت بھی عبید بن عمیر ہی سے نقل ہوئی ہے۔''

اس کی دلیل حضرت مفتی شفیعؒ یہ دیتے ہیں

''یہی روایت عبدالرزاق سے حافظ ابن کثیرؒ نے البدایتہ والنھایۃ میں بھی نقل کی ہے اور اس میں ابن عمرؓ کے بجائے عبید بن عمیر ہی لکھا ہے اور قابل توجہ امر یہ بھی ہے کہ علامہ عینی اور ابن کثیرؒ دونوں یہ روایت ایک ہی سند سے لائے ہیں۔ واللہ اعلم۔''

حقیقت یہ ہے کہ داؤدؑ پر یہ بہتان کہ وہ موسیقی کا استعمال تلاوت کے لیے کیا کرتے تھے سراسر جھوٹ اور کذب پر مبنی ہے۔ آج کل کچھ حضرات ''زبور'' پڑھنے کا مشورہ مسلمانوں کو دیتے ہیں اور اس کو حجت قرار دیتے ہیں۔ عالم دین تو ایک طرف، کوئی اگر تھوڑا سا بھی فہم دین رکھتا ہے وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے کس طرح اپنی کتابوں میں تحریف کی ہے۔ سورۃ المائدہ کی آیت 130 میں اللہ رب العالمین فرماتا ہے

''وہ کلام کو اس کے موقع محل سے بدل دیتے ہیں۔''

اور یہی کچھ انہوں نے حضرت داؤدؑ کے ساتھ کیا۔ مفتی شفیعؒ رقم طراز ہیں

''سیدنا داؤدؑ انہی معصوم ہستیوں میں سے ایک ہیں، جنہیں یہودیوں نے بطور خاص اپنی بدطینتی کا نشانہ بنایا ہے یعنی ایک عظیم الشان بادشاہ اور ساتھ ہی ایک شہوت پرست شخص، غالباً ان دونوں کو اس لیے جمع کیا گیا ہے تا کہ دولت وحشمت اور عزت وعظمت کے ساتھ بدکرداری اور زناکاری کے جواز کی صورت پیدا ہو سکے۔ قیاس یہ کہتا ہے کہ حضرت داؤدؑ کی طرف غناء مزامیر کا انتساب بھی یہودیوں کی انہی خباثتوں میں سے ایک ہے۔ اس لیے کہ سرور و موسیقی، زنا و بدکاری کی بہن اور اس کا لطف دوبالا کرنے کا ذریعہ ہے۔

اس سے انکار نہیں کہ موجوہ بائبل میں بہت سی حکمت و دانائی کی باتیں پائی جاتی ہیں، لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس کے مدد سے احادیث کے صحیح روایات کی بنا پر جائز کو ناجائز اور ناجائز کو جائز قرار دیا جائے۔ اگر یہ دروازہ ایک مرتبہ کھول دیا گیا تو رہزنی، شراب نوشی، قمار بازی، زناکاری اور

بت پرستی سب کے جواز کا فتوی بھی دینا ہوگا، کیونکہ موجودہ بائبل میں تو نعوذ باللہ نوح علیہ اسلام، لوط علیہ اسلام، ہارون علیہ اسلام، داؤد علیہ اسلام اور سلیمان علیہ اسلام کی طرف ان اخلاقی جرائم اور سیاہ کاریوں کو بھی منسوب کیا گیا ہے۔ (بائبل، کتاب پیدائش، باب ۶، ۱۹ کتاب خروج، باب ۳۴، سموئیل کتاب ۲، باب ۱۱، کتاب سلاطین، باب ۱۱، یوحنا، باب ۱۰۔) مسلمان تو مسلمان، عیسائی اور یہودی بھی جانتے ہیں کہ انجیل، توریت اور زبور اپنی اصل حالت میں قائم نہیں رہیں۔ اپنی مرضی کے مطابق اس میں تحریف کر دی گئیں ہیں۔ قرآن نے بارہا اس امر کی طرف اشارہ کیا اور سب سے بڑھ کر قرآن مجید کے نزول کے بعد اسلام کے نزدیک پچھلی کتابیں ساقط ہو چکی ہیں اور ساتھ ہی یہود کی ریشہ دوانیوں اور ذاتی خواہشات وتعصب توریت وزبور میں شامل ہو چکی ہیں، جس کی وجہ سے یہ کتب اپنا اعتبار کھو چکی ہیں۔ مسلمان کیلیے بنیادی مدرس صرف قرآن ہے۔ اس کے بعد احادیث اور صحابہ کرامؓ کی سیرت اور تعلیمات ہیں۔ یہ زبور کہاں سے درمیان میں آ گئی۔ ایک ایسی کتاب جو ساقط الاعتبار ہے۔ اس پر بھروسہ کیا ہی کیوں جا سکتا ہے؟ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں حضرت عمر فاروقؓ تلاوت توریت کرنے لگے تو نبی پاک ﷺ کو جلال آ گیا اور انہوں نے فرمایا کہ اگر (مفہوم) اس وقت موسیٰ بھی آ جائیں تو وہ بھی میری ہی تقلید کریں گے۔ زبور اب الہامی نہیں انسانی اختراع ہے۔ اضافہ ہے، ترمیم ہے۔ اللہ کا نبی معصوم عن الخطا ہوتا ہے اور یہ رب العالمین کی سنت نہیں کہ اس نے کبھی بھی، کسی بھی نبی کے دور میں موسیقی کو حلال کیا ہو۔

موسیقی نام ہے، آلات موسیقی کے ذریعے نکالی جانیوالی مختلف آوازوں کا، جو انسانی جذبات میں مدوجزر پیدا کرتی ہیں۔ اسلام ان موسیقی کے آلات کی صرف مخالفت ہی نہیں بلکہ شدید مخالفت کر رہا ہے۔ دوسری طرف حسن صوت اسلام میں موجود ہے جو تلاوت، قرأت، نعت خوانی، حمد خوانی، نظمیں، اشعار پڑھتے وقت صرف گلے کی مدد سے نکالی جاتی ہیں۔ جن کے ساتھ موسیقی کے آلات کی مدد حاصل نہیں۔ جن میں غنائیت کا عنصر محدود اور عقیدت اور جذبات کا پہلو غالب رہتا ہے۔ ستم یہ ہے کہ تلاوت زبور اور تلاوت قرآن کو موسیقی کے ہی زمرے میں لیا جا رہا ہے۔ وہ داؤد علیہ السلام جن کے بارے میں روایت ہے کہ وہ 70 مختلف لحن میں تلاوت کر سکتے تھے۔ آج وہ موسیقار پیش کئے جا رہے ہیں۔ (معاذ اللہ)

ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

الزبور، کتاب اللہ نے داوٗدؑ کو عطا کی تھی۔

آلوسیؒ لکھتے ہیں کہ

اس کتاب کا فہم داوٗدؑ کو آہستہ آہستہ بقدر ضرورت ملتا گیا۔ (روح المعانی)

قرطبیؒ (روح المعانی) کہتے ہیں کہ

الزبور میں ۱۵۰ ابواب تھے، اور کسی بھی باب میں حلال وحرام کا حکم نہیں تھا۔

تمام باتوں کی ایک بات کہ اصول فقہ کا متفقہ اصول ہے کہ قرآن سے قبل کے شریعتوں اور کلام الٰہی کیان ہی باتوں کو لیا جائے گا جو کہ شریعت محمدیﷺ سے ٹکراتی نہ ہوں۔

موسیقی اور ناچ کے بارے میں ایک تاویل حضرت ایوبؑ کے قصے سے کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں رسول اللہﷺ سے فرماتے ہیں کہ اور ہمارے بندے ایوبؑ کو یاد کرو جب کہ اس نے اپنے رب سے فریاد کی کہ شیطان نے مجھے سخت دکھ اور آزر میں مبتلا کر رکھا ہے (ہم نے اس کو ہدایت کی) زمین پر اپنا پاؤں مار! یہ نہانے کا بھی ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کا بھی۔ ان آیات میں اللہ اپنے بندے ایوبؑ کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اپنا پاؤں زمین پر مارے جس کے نتیجے میں ایک چشمہ پھوٹ پڑے گا۔ انھوں نے اللہ کے حکم کے مطابق اس میں نہایا، جس سے ان کو اپنی بیماری سے نجات ملی۔ اس چشمہ کے پانی پینے پر ان کو مکمل صحت یابی ملی۔ اپنے فرمانبردار بندے ایوبؑ کو اللہ نے بہت سی آزمائشوں میں مبتلا کیا، ان کو شدید قسم کی جسمانی آزار میں مبتلا کیا گیا۔ اس کے باوجود وہ صبر کے چٹان ثابت ہوئے اللہ تعالی کی توفیق سے۔ سورہ ص آیت ۴۴ میں اللہ نے فرمایا ہم نے ایوب کو نہایت صابر پایا خوب بندہ، بے شک وہ بڑا ہی رجوع کرنے والا تھا۔ ان آیات کا حوالہ دے کر القرطبی لکھتے ہیں کہ بعض جاہل اور نا اہل لوگ اور صوفی حضرات نے اس آیت سے مراد ناچنا لیا ہے۔

زمین پر اپنا پاؤں مار سے بے بنیاد دلائل واعتراضات اٹھائے گئے ہیں۔ ابن جوزی کہتے ہیں کہ یہ بے کار بحث ہے۔ زمین پر پاؤں مارنے کا حکم خوشی ظاہر کرنے کے لیے نہیں ہوسکتا بلکہ زمین پر پاؤں مارنا اس لیے تھا تا کہ زمین سے پانی نکلے۔ ابن عقیل کے مطابق اس بات سے کیسے ناچ کا حرمت کا پہلو نکلتا ہے۔ یہ تو ایک متاثرہ شخص سے اپنی بیماری کی نجات کے سلسلے میں ہدایات دی گئی ہے۔ اگر اسی

طرح تاویل کی جاسکتی ہے تو موسیقی کے لیے cushions پر اسٹک مارنے کی بھی علت نکالی جاسکتی ہے ،ڈرم بجانے لی علت نکالی جاسکتی ہے کہ جب موسیٰ کو اللہ نے حکم دیا کہ پتھر پر لاٹھی مارو(تاکہ بارہ نہریں جاری ہوجائیں)۔

شبہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ اگر واقعی معازف ومیزامیر ایسی ہی شدید وعید کے موجب تھے ان کا ذکر قرآن میں کیوں نہیں آیا۔

اولاً تو یہ موقوف ہی غلط ہے کہ جس چیز کے بارے میں قرآن بظاہر خاموش ہو اس کی حلت و حرمت کا فتوی سنت کی بن پر نہیں دیا جاسکتا۔قرآن مجید نے حلت وحرمت کے ایسے واضح اصول اور ضابطے مقرر کردیئے ہیں کہ ان کی روشنی میں معازف ومزامیر کی حلت وحرمت کا فیصلہ آسانی سے کیا جاسکتا ہے۔

سورہ لقمان کے شروع میں پہلے ان لوگوں کی صفات بیان کی گئی ہے جو قرآن مجید سے فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔اس کے بعد ان لوگوں کا ذکر ہے جو اپنے غلط قسم کے مشاغل کی بنا پر قرآنی ہدایت سے محروم رہتے ہیں۔چناچہ ارشاد ہوتا ہے

وَمِـنَ الـنَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ / لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍق صلے / وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ط / أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ /

اورلوگوں میں سے ایسا بھی ہے جو خریدتا ہے لہوالحدیث......تاکہ وہ گمراہ کریں اللہ کے راستے سے بغیر کسی علم کے......اور وہ اللہ تعالیٰ کے راستے کو مذاق بناتے ہیں......ایسے لوگوں کے لیے ذلت والا عذاب ہے(٦)۔

لہو کے معنی امام راغب اصفہانی کی تحقیق کے مطابق یہ ہیں(مفردات راغب ص ۴۷۱)

لہو ہر اس شے کو کہتے ہیں جو انسان کو اس کے مقصد سے ہٹادے۔

امام شوکانی لکھتے ہیں (تفسیر فتح القدیر ض۴ ص ۲٦۲)

لہوالحدیث سے مراد ہر وہ شے ہے جو نیک کاموں سے غافل کردے۔گانا بجانا، بیسر پا داستانیں اور ہر قسم کا منکر اس کے تحت آسکتا ہے۔

اکثر صحابہ رضوان اللہ علیھم اجمعین نے لہوالحدیث کی تفسیر میں غنا کو زیادہ اہمیت دی ہے۔

سنت نبوی سے بھی اسی تفسیر کو تقویت ملتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لہوالحدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: (ابن کثیر ج ۳ ص ۴۴۱)

هو الغناء ، والله الذی لا اله الا هوا، یرددها ثلاثا

لہوالحدیث سے مراد غناء ہے قسم ہے اُس ذات کی جس کے سوا کوئی الٰہ (معبود) نہیں ہے! یہ کلمہ حضرت عبداللہ نے تین بار فرمایا۔

اس تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسود تنہا نہیں ہیں بلکہ مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس حضرت جابر **رضوان الله علیهم اجمعین** اورا کابر تابعین ،عکرمہ،سعید بن جبیر، مجاہد، مکحول، عمو بن شعیب اورحسن بصری رحمھم اللہ جمیعاً بھی ان کے ہم نوا ہیں۔قرآن فہمی میں تفسیر صحابہ کو جو اہمیت حاصل ہے اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔۔ایسے صحابی کی تفسیر جس نے وحی اور نزول قرآن کا زمانہ پایا ہو، امام بخاری اورامام مسلم کے نزدیک مسند حدیث کے حکم میں ہیں (امام حاکم، **اغاثة اللهفان**، ص ۱۲۹)

اس آیت کی وضاحت میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ لہوالحدیث کی حرمت اسی وقت ہوسکتی ہے جب کہ اضلال (گمراہ کرنا) مقصود ہو۔کیونکہ قرآن میں **لیضل عن سبیل الله** فرمایا گیا ہے، اگر محض تفریح نفس مقصود ہو تو اس صورت میں گانے بجانے کو حرام کیسے ٹھرایا جاسکتا ہے؟ واضح رہے کہ **لیضل** لام علت بھی مانا جاسکتا ہے یعنی لہوالحدیث اختیار کرنے کا اصل مقصد لوگوں کو گمراہ کرنا ہو۔اس لام کو لام عاقبت بھی قرار دیا جاسکتا ہے یعنی آخر کار نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ معازف ومزامیر کے شیدائی راہ حق سے ہٹ کر ضلالت کی وادیوں میں گم ہوجاتے ہیں اور دوسروں کی گمراہی اور بے راہروی کا بھی باعث بنتے ہیں۔قرآن پاک سے دوری آجاتی ہے بلکہ اس کی تلاوت سے انتہائی انقباض اور وحشت محسوس ہوتی ہے۔موسیقی، غنا اور سماع، کے نقصان اور نفع میں نقصان زیادہ ہے۔مگر یہ اسی طرح ہے جیسے شراب اور قمار میں لوگوں کیلیے بعض فائدے ہیں، مگر ان کا نقصان زیادہ ہوتا ہے اسی لیے شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی۔اور یہ اس لیے کہ شریعت راجح مصلحت ہی کا لحاظ کرتی ہے۔مثلاً کوئی شخص پانچ ہزار چوری کرے اوراس میں سے دو ہزار خیرات کرڈالے، تو خیرات کرنا تو نیک کام ہے مگر اس کی وجہ سے چوری مباح نہ ہوگی۔سماع، موسیقی غنا نفس میں ہیجان پیدا کردیتا ہے، جذبات برانگیختہ ہوجاتے ہیں۔ اس کی وجہ سے قرآن سے دوری آجاتی ہے، قرآن کی تلاوت سے لذت محسوس نہیں ہوتی بلکہ قرآن سے

بیزاری آجاتی ہے۔کیا اس کا یہ نقصان کم ہے کہ آدمی کو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے شغف باقی نہیں رہا۔

احادیث کا سہارا

حدیث کے غور اور انتہائی تنقیدی مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ عام تاثر کہ موسیقی احادیث کی روشنی میں جائز ہے درست نہیں بلکہ بہت ساری رویایات یہ ثابت کرتی ہیں واضح کرتی ہیں کہ موسیقی اور اس کے آلات اور اس کے متعلق دیگر وغیرہ اسلام میں حرام ہیں۔ کچھ مسلمان اس غلط فہمی کا شکار ہیں اور اپنے دل کو بہلاتے ہیں کہ موسیقی کی حرمت والی احادیث ضعیف یا موضوع ہیں۔ یہ انتہائی غیر مستحکم اور لاعلمی پوزیشن ہے جب ہم احادیث کے ذخیرے کو جانچتے ہیں۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خوش حالی کے ساتھ قرآن پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا: **یا ابو موسی لقد اُعطِیتَ مِزْاَمِیْرِ آلِ دائود** اے اب موسیٰ! تمھیں آلِ داؤد کے مزامیر میں سے مزمار عطا ہوا ہے۔

اس حدیث کی تشریح میں ایک صاحب کہتے ہیں: اس سے مراد تلاوت کا ایسا انداز ہے جس میں موسیقیت کی جھلک ہو، کچھ سُر ہو، کچھ لے ہو، اس کے لیے ایک جامع لفظ تغنی ہے۔: لیکن اگر یہ تشریح صحیح ہے تو کہنے والا یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ لیجئے مزمار کا ثبوت بھی سنت داؤدی اور سنت محمدی سے مل گیا۔

حقیقت میں نہ یہاں تغنی ہے نہ موسیقیت اور نہ راگ الاپنے کی حمایت، اس سے تو صرف حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی مئوثر اور پُرکشش خوش الحانی کا اظہا واعتراف مقصود ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں آتا ہے: اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا : بلاشبہ کچھ بیان وخطاب جادو کا سا اثر رکھتے ہیں۔: کیا اس تشبیہ کی بناء پر اس سے سحر وساحری کا جواز نکالا جاسکتا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ علما نے کہا ہے کہ یہاں مزمار سے مراد صوت حسن ہے۔ صاحب روح البیان فرماتے ہیں کہ حدیث میں لفظ ضرب مزامیر استعمال ہوا ہے جو کی ایک محاورہ ہے، جو حضرت داؤد علیہ اسلام کی شیریں الفاظ کے لیے بولا گیا ہے کیوں کہ آواز اتنی حسن سے نکلتی تھی کہ گویا

آپ کے حلق میں باجے ہیں، جنھیں آپ بجارہے ہیں۔ حضرت مفتی شفیع صاحب لکھتے ہیں کہ آپ کی یہی خوش الحانی کا معجزہ رفتہ رفتہ یہودیوں کی رنگ آمیزی اور ہوس پرستی کا شکار ہوگیا اور انھوں نے اسے بنیاد بنا کر اپنی طرف سے اور اضافے کر ڈالے اور خوش الحانی کے ساتھ آلات موسیقی اور موسیقاروں کی ایک جماعت کو بھی جمع کر دیا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حسن تلاوت اور حسن صوت کا ذکر کئی جگہ ملتا ہے۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ حجرت عائشہؓ کے ساتھ کہیں جارہے تھے کہ راستے میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ قرآن کی تلاوت کررہے تھے حضور ﷺ وہیں کھڑے ہوگئے اور سن کر آگے بڑھے۔ صبح کو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا ابوموسیٰؓ گزشتہ شب تم قرآن پڑھ رہے تھے میں نے تمھاری قرآت سنی تھی۔ ابوموسیٰؓ نے کہا اے رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، اگر مجھے یہ علم ہوجاتا کہ آپ ﷺ میری آیت سن رہے ہیں تو میں اور زیادہ خوش الحانی سے قرائت کرتا۔ ابن سعد سے طبقات میں نقل کیا ہے کہ ابوموسیٰؓ بعد نماز عشا ایک شب قرآن کی بلند آواز میں تلاوت کررہے تھے۔ ان کی آواز سن کر ازواج مطہراتؓ اپنے حجروں کے پردوں کے پاس کھڑی ہوکر سننے لگیں۔ صبح ابوموسیٰؓ کو کسی نے بتایا تو انھوں نے کہ اگر مجھے علم ہوجاتا تو ان کو قرآن حکیم سننے کا اس سے بھی زیادہ شائق بنادیتا۔ حضرت عمر فاروقؓ اکثر ابوموسیٰؓ سے فرمائش کرتے کہ ابوموسیٰؓ خدا کی یاد دلاؤ۔ پھر جب وہ قرات کرتے تو حضرت عمر فاروقؓ کی آنکھیں شدت سے نم ہوجاتیں۔ غرض کہیں بھی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ساز کے لفظ کا کوئی استعمال نہیں ملا۔

بخاری اور مسلم کی احادیث کی روایات پیش کی جاتی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کی حضور ﷺ میرے یہاں تشریف لائے۔ اس وقت دو لڑکیاں جنگِ بعاث کے گانے گارہی تھیں حضور ﷺ بستر پر لیٹ گئے اور دوسری طرف کروٹ لے لی اور چہرہ مبارک پھیرلیا۔ اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور مجھے ڈانٹتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں یہ شیطانی گیت۔ آنحضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ان کو رہنے دو، یہ عید کا دن ہے۔ ایک اور روایت بخاری میں آتی ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ''رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے، تو دو انصاری لڑکیاں جو نابالغ تھیں میرے پاس بیٹھی وہ اشعار گارہی

تھیں جو انصار نے جنگِ بعاث میں کہے تھے۔حضورﷺ بستر پر لیٹ گئے اور منہ دوسری طرف پھیرلیا۔یہ دونوں لڑکیاں پیشہ ور گانے والی لڑکیاں نہیں تھیں۔اتنے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ تشریف لائے اور انہیں دیکھتے ہی کہا: ''یہ شیطانی راگ حضورﷺ کے گھر میں'' یہ عید کے دن کا واقعہ ہے۔تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جانے بھی دو'' ایک اور روایت کے مطابق نبی کریمﷺ نے فرمایا: ''اے ابوبکرؓ ہر قوم کے لیے عید کا دن ہوتا ہے اور آج ہماری عید ہے۔'' اتنے میں جب حضرت ابوبکرؓ دیگر کاموں میں لگے تو حضرت عائشہؓ نے اشارہ کیا اور وہ لڑکیاں گھر سے نکل گئیں۔''

اس روایت میں کلمات غنا یا تغنی محض گانے ہی کے لیے نہیں آتے بلکہ بلند آواز سے خوش الحانی کے ساتھ پڑھنے کے معنی میں بھی آتے ہیں،جیسا کہ حدیث میں ہے۔ **مَا اَذِنَ اللّٰہُ لِشَیْءٍ مَا اَذِنَ لِنَبِیٍّ یَتَغَنّٰی بِالقرآنِ** مشکوۃ ج اص ۱۹۰ بحوالہ بخاری و مسلم اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو اتنی توجہ سے نہیں سنا جتنی توجہ سے نبیﷺ کو خوش الحانی سے قرآن پڑھتے سنا۔

ایک اور حدیث میں ہے **لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَتَغَنَّ بالقرآن** مشکوۃ ص ۱۹۰ بحوالہ بخاری جس نے قرآن کو خوش الحانی سے نہیں پڑھا وہ ہم میں سے نہیں۔

اسی حدیث کی تشریح میں امام شافعی رحمت اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد تحسین وقرائت ہے۔

اسی روایت میں الفاظ **عِنْدِیْ جَارِیَتَانِ تُغَنِّیَانِ** کا مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں نوعمر لڑکیاں وہ اشعار پڑھ رہی تھیں جو جنگ بعاث کے موقع پر (شجاعت و بہادری کے اظہار کے لیے) کہے گئے تھے،اس سے وہ گانا مراد نہیں ہے جو لہو ولعب کے رسیا لوگوں کے یہاں رائج ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بدوؤں کو بھی غنا کی اجازت دی تھی،وہ بھی حدی خانی کی طرح ایک آواز ہے (نہایہ ض ۲ص ۱۷۳)

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں (اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ ض اص ۶۴۰) جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دولڑکیاں گھر میں جنگ کے بہادرانہ کارناموں پر مشتمل اشعار پڑھا کرتی تھیں لیکن وہ پیشہ ور مغنیہ نہیں تھیں۔ان میں کوئی چیز ایسی نہ تھی جو عشق ومحبت کے جذبات کو بھڑکانے والی ہو یا کسی فتنہ وفساد کا موجب بنے۔خلاصہ یہ ہوا کہ غنا یا تغنی کے دو معنی ہیں (۱) بلند آواز

سے خوش حالی کے ساتھ اشعار پڑھنا (۲) فن موسیقی کے قواعد کے مطابق آواز کے اتار چڑھاؤ کے کرتب کا پر تکلف مظاہرہ کرنا۔ شریعت اسلامی نے جس چیز کو گوارہ کیا ہے وہ پہلا مفہوم ہے۔ آخر الذکر معنی کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسی روایت میں لفظ جاریہ کی تشریح میں علامہ عینی لکھتے ہیں (عمدۃ القاری ،شرح بخاری ص ۲۶۸) عورتوں میں جاریہ نابالغ بچی کو کہتے ہیں جس طرح غلام کا لفظ مردوں میں نابالغ لڑکے پر بولا جاتا ہے۔ ان اشعار کی نوعیت بھی ہمیں معلوم چل گئی کہ ان میں کوئی ایسی بات نہ تھی جو سفلی جذبات کے لیے ہیجان انگیز ہوتی، جیسا کہ آج کل کی موسیقی میں ہوتا ہے اور جس کے جواز کے لیے قرآن حدیث سے دلائل جمع کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے لیے ٹوکا ہوگا کہ انھوں نے پہلے سے زبان رسالت ﷺ سے غنا کی مذمت سنی ہوگی اسی لیے انھوں نے **مزمور الشیطان** کہہ کر تنبیہ فرمائی۔ اللہ کے رسول ﷺ کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے **مزمور الشیطان** کہنے پر سکوت اختیار کرنا ظاہر کرتا ہے کہ آپ ﷺ کے نزدیک بھی اس قسم کا مشغلہ پسندیدہ نہیں تھا اور گھر کے ذمہ داروں اور بزرگوں کو ایسے مشاغل سے بالاتر رہنا بہتر ہے۔ تغنی کی مذکورہ بالا تشریح کے بعد ان روایات کا مفہوم بھی واضح ہوگیا جن میں بعض صحابہ کرام مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ وغیرہ کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ ''اسلام اور موسیقی'' میں ان احادیث کو طویل مباحث میں لاتے ہیں اور درجِ ذیل نکات بیان کرتے ہیں۔

(1) گانے والی لڑکیاں کمسن اور غیر مکلّف تھیں۔ حضرت عائشہؓ نے دونوں کو نابالغ کہا ہے۔

(2) دونوں لڑکیاں جنگی گیت گا رہی تھیں۔ چنانچہ یہ اشعار حرب وشجاعت سے پر تھے۔ امام بغویؒ زیادہ واضح الفاظ میں لکھتے ہیں کہ ''یہ شعر جو دونوں لڑکیاں گا رہی تھیں، حرب وشجاعت کے بارے میں تھے اور ان کے پڑھنے سے ایک طرح سے دینی معاملے (جہاد) میں مدد ملتی تھی۔ اور جن اشعار میں خواہش کا ذکر ہو، حرام اور ناجائز باتوں کا ذکر ہو، ان کا گانا جائز نہیں۔ حاشا وکلا اگر ایسی چیزیں حضور ﷺ کے سامنے گائی جاتیں تو آپ ﷺ اس پر نکیر کرنے سے نہیں چوکتے۔''

(3) رسول اللہ ﷺ نے اس فعل پر ''پسندیدگی'' کا اظہار نہیں کیا تھا، بلکہ ایک طرح سے اپنے آپ کو اس کی شرکت سے علیحدہ رکھنے کے لیے، چادر اوڑھ کر منہ پھیر لیا تھا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ نہ تو ایسا

ناجائز کام تھا جس پر سختی سے نکیر کی جاتی اور نہ کوئی ایسا پسندیدہ امر تھا کہ آپ ﷺ بہ نفس نفیس اس میں شریک ہوں۔

(4) اس واقعے سے پہلے ہی صحابہ کرامؓ میں یہ بات عام طور پر معروف تھی کہ گانا گانا، ناجائز اور شیطانی کام ہے۔حضورﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کی تنبیہ پر یہ نہیں کہا کہ ابوبکر! یہ شیطانی راگ باجے نہیں ہیں اور جائز ہیں یا تمھیں نہیں روکنا چاہئے بلکہ افصح العربﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ ''جانے بھی دو آج عید کا دن ہے'' یہ جملہ واضح طور پر بتا رہا ہے کہ عید کی وجہ سے درگزر ہو رہا ہے۔(عام بور پر مناسب نہیں ہے)

(5) حضرت عائشہؓ خود غنا کو ناجائز سمجھتی تھیں۔اس وجہ سے انہوں نے وضاحت کی کہ ''یہ لڑکیاں کوئی پیشہ ور گانے والیاں نہیں تھیں۔''

مزید نقطے کتاب گانا وموسیقی از محمد منیر قمر صاحب میں یوں ہیں کہ

(6) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ دف بجانا صرف عید کے دن جائز ہے نہ کہ ہر دن اور صرف دف بجانا روا ہے نہ کہ ہر طرح کا ساز وموسیقی۔

(7) نبی کریمﷺ نے ان کے صرف بچیاں ہونے اور خوشی وعید کا دن ہونے کی وجہ سے کچھ کہنے سے منع کر دیا تھا، اور یہ بھی ایسے ہی ہے جیسے بچیوں کا گڑیوں کے ساتھ کھیلنے کا مسئلہ ہے، جبکہ یہ مردوں کے لیے جائز نہیں ہے۔

دف کا استعمال:

روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ شادی بیاہ کے موقع پر اگر گھر کی لڑکیاں اولان اور خوشی کے اظہار کے لیے دف بھی استعمال کر لیں تو اسے گوارا کیا جا سکتا ہے، امام تیمیہ لکھتے ہیں کہ رہے مرد تو آپ ﷺ کے زمانے میں کوئی مرد بھی نہ ڈھول بجاتا تھا نہ تالیاں پیٹتا تھا۔تو زیادہ سے زیادہ دف بجانے کا جواز ہے، وہ بھی شادی بیاہ کے موقع پر تاکہ اس طرح اعلان سے نکاح اور زنا کے درمیان امتیاز ہو سکے۔ اب یہ اسلامی مزاج کے یکسر خلاف ہوگا کہ دف پر قیاس کر کے دوسرے ہر قسم کے باجے اور آلات طرب جائز ٹھہرا لیے جائیں۔اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کو خارش کے بناء پر ریشمی لباس کی اجازت دی گئی تھی۔اب اس سے عام حالت میں مردوں کے لیے جواز کا فتوی

نہیں نکالا جا سکتا ہے۔ اسلاف میں سے بعض اہل علم شادی بیاہ کے موقع پر دف کو مکروہ سمجھا جاتا ہے جو مبنی ہے شریعت کے ضابطہ سد باب ذریعہ۔ یعنی بعض مباحات پر اس وجہ سے پابندی لگا دی جاتی ہے کہ اس سے معاشرہ میں میں حرام مشاغل کے نشونما پانے کے لیے چور دروازے کھل سکتے ہیں۔

کتاب گانا وموسیقی میں محمد منیر قمر صاحب لکھتے ہیں کہ اسی طرح تقریب شادی بیاہ میں عورتوں کو اجازت ہے کہ وہ آپس میں دف بجا کر اور بعض مخصوص آ قازیں نکال کر خوشی کا اظہار کریں۔ اور اس کی اجازت بھی بعض احادیث میں آئی ہے جیسے کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے: حلال (نکاح) اور حرام (زنا) میں فرق یہ ہے کہ نکاح وشادی میں دف بجائی اور (اظہار خوشی کے لیے) بعض آوازیں نکالی جاتی ہیں: یہ بووقت نکاح یا شادی بیاہ پر ہے، دیگر کسی کام یا اعلان کے لیے روا نہیں ہے۔ اور خوشی کے تمام مواقع پر نہیں بلکہ صرف عیدین وشادی پر ہے۔

مولانا گوہر رحمان اپنی کتاب تفہیم المسائل کے صفحہ 498 پر رقم طراز ہیں کہ شادی بیاہ اور عید کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صرف عورتوں کو دف بجانے کی اجازت دی ہے اور دف کی ممانعت کے حکم سے ایک استثنیٰ ہے جو حضور ﷺ سے ثابت ہے۔ انہی کی کتاب کے صفحہ 500 پر ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ شادی بیان جیسے خوشی کے موقع پر دف بجانے کی اجازت ہے یہ لازم نہیں آتا کہ دیگر آلاتِ موسیقی عود (سارنگی) وغیرہ بجانا بھی مباح ہو۔ شریعت کا اصل قاعدہ یہ ہے کہ لہو ولعب سے پرہیز کیا جائے۔ اس لیے جواز کا حکم اسی وقت اور کیفیت کے ساتھ مخصوص ہوگا، جس کے بارے میں حکم ہوگا۔'' شیخ عبد الحق محدث دہلوی شرح سفر السعادۃ میں لکھتے ہیں '' زیادہ سے زیادہ جو بات اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ بعض اوقات مثلاً عید جیسے ایام میں دف بجانے کی رخصت ہے۔ باوجود یہ کہ دوسرے اوقات میں حرام ہے اور شیطان کا باجا ہے۔''

مولانا مودودی، رسائل ومسائل حصہ اوّل کے صفحہ 167 میں لکھتے ہیں کہ دف کی اجازت شادی بیاہ اور دید کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے دی ہے اور یہ زیادہ سے زیادہ حد ہے کہ جہاں تک آدمی جا سکتا ہے۔ اس آخری حد کو اگر کوئی شخص نکتہ آغاز بنانا چاہتا ہو، اس کو آخر کس نے مجبور کیا کہ وہ خواہ مخواہ اس نبی ﷺ کے پیروؤں میں اپنا نام لکھائے جو آلاتِ موسیقی توڑنے کے لیے بھیجا گیا ہے؟

ابو بلال مصطفیٰ الکندی لکھتے ہیں کہ عورتوں اور لڑکیوں کے لیے جائز ہے کہ وہ گائیں اور دف

بجائیں۔(اس شرط کے ساتھ کہ ان کی آواز مردں تک نہ پہنچے اور نہ ہی وہ مردوں کے سامنے ہوں)۔ گائے جانے والے گیت بہت سادہ ہوں اوراس میں کوئی فحش بول یا بداخلاقی نہ ہو۔شادی کے موقع پر دف کا استعمال اور گیت گانا ایک طرح سے شادی کا اعلان ہے اور آنے والے مہمانوں کے لیے خوشی اور مسرت ہے۔

ابو بلال مصطفیٰ الکندی مزید لکھتے ہیں اس پر زور ہے کہ دف بجانا اور گیت گانا صرف بچیوں اور کم عمر لڑکیوں کے لیے ہے۔اور مردوں کا اس سے لوئی تعلق نہیں ہے۔ابن حجرالعسقلانی کہتے ہیں: ایک کوشش یہ بھی کی گئی کہ گانا اور دف بجانا صرف عورتوں تک محدود نہیں اور سہارا لیا گیا اللہ کے رسول ﷺ کے اس ارشادگرامی سے کہ دف بجاؤ اس کے تہوار کے موقع پر (شادی)۔: یہ بہت کمزور دلیل ہے کیونکہ مستند اور مدلل روایت میں صریحاً اجازت صرف عورتوں کے لیے ہے،اس لیے مردوں کو اس معاملے میں شامل کرنا جائز نہیں ہے۔ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ مردوں کوعورتوں کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے۔(احمد بن حنبلؒ اورطبرانی نے یہ روایت نقل کی ہے)۔شیخ محمد المبارکپوری مزید اضافہ کرتے ہیں کہ: یہ شادی کے موقع پر گانے کی اجازت صرف عورتوں کے لیے ہے۔یہ عورتوں کیلیے مخصوص ہے، مردوں کے لیےنہیں: Tahfatul Ahwadi ج۴ص۲۱۰۔شیخ ابن تیمیہ اس بات کو اپنے مشہور فتوی میں کہتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ نے شادی اور دوسرے خوشی کے مواقع پر بعض قسم کی تفریح کی اجازت دی ہے۔اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں کسی بھی مرد کا دف بجانا یا تالیاں پیٹنا (سر کے ساتھ) ثابت نہیں ہے۔ بلکہ یہ مستند روایت میں سے ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تالیاں بجانا عورتوں کے لیے ہے (اورتسبیح مردوں کے لیے ہے۔ بخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایسی عورتوں پر لعنت کی ہے جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ان مردوں پر لعنت کی ہے جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔چونکہ گانا اور دف بجانا عورتوں کا عمل ہے،سلف (صحابہؓ،تابعینؒ اورائمہ اربعہؒ) ایسے عمل کرنے والوں کو زنانہ پن یا نامردی قرار دیتے تھے۔مردگلوکار کو ایسے ہی ناموں سے پکارا جاتا تھا۔

کچھ حضرات صرف شادی میں دف بجانے کو عمومی قرار دیتے ہیں کہ دف کسی بھی تہوار یا خوشی کے موقع پر بجانی چاہئے۔مثلاً عقیقہ یا ختنہ کے مواقع۔ یا آج کے جدید دور میں graduation

ceremony، ترقی کے موقع (promotion) وغیرہ وغیرہ۔ مگر یہ بات صحیح نہیں ہے۔

اول کہ ہم یہ بات سمجھ چکے ہیں (اور اگلے صفحات میں بھی اس کے متعلق ٹھوس شواہد درج ہیں) کہ صحیح اور مستند سنت سے ثابت ہے کہ موسیقی کے متعلق عمومی حکم حرام کا ہے۔ حرمت کا ہے۔ کچھ استثنائی مواقع ہیں جن میں کچھ خاص قسم کے کلام اور دف کے استعمال کی اجازت ہے، مگر یہ استثنائی صورت ہے عمومی (general) حکم کے مقابلے میں۔ اصول فقہ کے مطابق استثنات جو کہ محدود ہوتے ہیں (مستحنات) ایک عام حکم کے مقابلے میں، وہ اسشتنا کو محدودیت سے وسیع نہیں کیا جائے گا، نہ ہی ایسے محدود استثنا پر کوئی قیاس کا استعمال ہوگا۔ مثلاً احادیث کے مطابق تکبر کی سختی سے ممانعت ہے مومن کے لیے: جس کے دل میں رائے کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا (مسلم): اس کی استثنائی موقع جہاد ہے، جو کہ ایک محدود استثنا ہے ایک عمومی حکم کے مقابلے میں۔ اس کی محدودیت کو وسیع نہیں کیا جائے گا مثلاً کسی اسلامی ملک کے قومی فٹ بال ٹیم کسی کھیل میں تکبر سے پیش آئے کہ وہ بھی جہاد کا موقع ہے جب کہ وہ میچ کسی غیر مسلم ٹیم کے خلاف ہو، علی ھذاالقیاس۔ کیوں کہ تکبر مکمل طور پر حرام ہے سوائے جہاد کے استثنائی موقع کے۔ اور کوئی دوسرا موقع اس کے استثنا میں داخل نہیں ہوگا (مستحنات) میں جب تک کہ اس کے متعلق کوئی مستند دلیل نہ ہو، جیسے قرآن یا سنت یا اجماع۔ یہاں قیاس کا بھی عمل دخل نہیں ہوگا کیوں کہ قیاس اصل حکم پر استعمال ہوتا ہے۔ یہاں اصل حکم ہی حرمت کا ہے۔ یہی معاملہ موسیقی اور گانے والے معاملے کا ہے۔ عمومی حکم حرمت کا ہے سوائے ایک استثنا صورت کے وہ شادی کا موقع وہ بھی شرائط کے ساتھ جو ہم پچھلے صفحات میں پڑھ چکے ہیں۔

دوم کوئی مستند روایت موجود نہیں ہے جو ایک محدود اجازت (شادی کے موقع پر دف شرائط کے ساتھ) کو ہر خوشی کے موقع پر کرنے کی اجازت دیتی ہو، نہ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں، نہ ہی خلفائے راشدینؓ اور صحابہؓ کے زمانے میں۔ کوئی ایک مثال بھی نہیں ملتی۔ اگر چند مل جاتیں تو شاید کوۂ جواز نکل آتا۔ صرف ایک اثر ملتا ہے خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کے متعلق جو کہ کچھ علما پیش کرتے ہیں حلت موسیقی کے لیے، عبدالرزاق روایت کرتے ہیں معمار سے انھوں نے ایوب سے انھوں نے ابن سیرین سے کہ جب حضرت عمر فاروقؓ کوئی آواز سنتے (گانا) یا دف کے پیٹنے کی تو وہ پوچھتے یہ کیا ہے؟ اگر انھیں جواب دیا جاتا کہ یہ شادی (دعوت) کا موقع ہے یا کوئی تقریب ہے تو وہ خاموش رہتے۔ یہ

اوراس طرح کے بیانات حضرت عمرؓ کے خاموشی کے تمام کے تمام ضعیف ہیں۔سند میں انقطاع ہے ابن سیرین اور حضرت عمرؓ کے درمیان، حضرت عمر کے انتقال کے ۲۰ سال کے بعد ابن سیرین کی پیدائش ہوئی (محمد نصیر الدین البانی، ایک محدث کے مطابق، جو انھوں نے مطلع کیا جناب ابو بلال مصطفیٰ الکندی کو) اوراس انقطاع کا پتہ ابن ابی شیبہ کے انداز سے بھی پتہ چلتا ہے جس میں ہے عَنْ ابن سیرین ، قالَ أَنَّ عمر... ابن سیرین کہتے ہیں کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ حضرت عمرؓ۔۔۔۔۔۔ (ابن ابی شیبہ ۱۹۲/۴، عبد الرزاق ۱۱/ ۵، بیہقی ۷/ ۲۹۰) کوئی دلیل اور ثبوت نہیں ملتا کہ صحابہؓ اور سلف صالحین کبھی بھی اللہ کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے خلاف چلے ہوں۔ بہت سارے اثر ملتے ہیں جن میں سخت ممانعت کی گئی ہے دف کے غیر جائز استعمال کی۔مثلاً ایک موقع پر قاضی شریحؒ (بہت بڑے تابعی عالم، قاضی اور احادیث کے راوی، صحابی ابن مسعودؓ کے تلمیذ خاص۔ وفات ۸۷ھ) نے دف بجانے کی آواز سنی، تو انھوں نے کہا کہ یقیناً ملائکہ داخل نہیں ہوتے ایسھ گھر میں جس میں دف کا استعمال ہوتا ہو (شادی کے موقع کے علاوہ) (پیراگراف بحوالہ کتاب انگریزی میں موسیقی پراز ابو بلال مصطفیٰ الکندی)

سوم اگر ہر خوشی کے موقع کو (شادی والے استثنائی اجازت پر) اجازت دی جائے تو پھر اس کے استعمال کی کوئی حد نہیں ہوگی۔کوئی حد نہیں رہے گی۔ یہ اسلامی احکام اور معاشرت کے خلاف ہے۔ ایسا معشرت جس میں سختی سے موسیقی اور گانے پر مکمل پابندی ہے، اور یہ بات سنے مطہرہ سے ثابت ہے، اور اسلام کی روح اپنے ماننے والوں کو ترغیب اور تشویق اس بات کی دیتی ہے کہ اپنے اوقات کو تماشوں اور عیاشیوں سے بچایا جائے۔اور فطری خوہشات کے لیے عید کے مواقع، شادی کے مواقع اور عام معصوم شاعری کی اجازت ہے۔عید اور شادی کو عبادت کا درجہ ہے۔

حدیث کی سند پر اعتراض:

بخاری کی رویت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ میری امت کے کچھ لوگ ایسے ہونگیں جو حرام کو حلال کہے گیں، مثلاً زنا، مردوں کا ریشم زیب تن کرنا (ریشم امت کے مردوں پر حرام ہے عورتوں پر حلال ہے) شراب پینا اور موسیقی کے آلات استعمال کرنا۔ کچھ لوگ پہاڑوں کے گرد اپنا ٹھکانا بنالینگے اور جب ان کے چرواہے شام میں اپنی ضروریات کا ان سے سوال

کریں گیں تو ان کا جواب ہوگا کہ کل آنا ہمارے پاس۔ پھر اللہ کا عذاب ان پر آئے گا اور اللہ ان پر پہاڑوں کو گرائے گا۔اور باقی رہ جانے والوں کو بندر اور سوٴر کی شکل میں بدل دے گا۔وہ اسی حال میں ہونگیں یہاں تک کہ آخرت کا دن آپہنچے گا۔(فتح الباری جلد۱۰ص۵۱)

اللہ کے رسول ﷺ سے حدیث کو سن کر اور پھر اس کو روایت کرنے والے صحابہؓ کی chain کو سند کہا جاتا ہے۔اس کیس میں یہ حدیث امام بخاریؒ سے مروی ہے اور جس جس نے یہ حدیث بیان کی ہے وہ ان اصول وضوابط پر پورا اتر رہا ہے جو حدیث بیان کرنے کے لیے لازمی سمجھے جاتے ہوں۔امام بخاری لکھتے ہیں قَـالَ هشـام بن عمار (ہشام بن عمار کہتے ہیں)۔اس بیان کا ابن حزم نے غلط تشریح کیا، وہ کہتے ہیں (فتح الباری جلد۱۰ص۵۱) کہ بخاری اور اگلے راوی ہشام کے درمیان ایک کڑی موجود نہیں ہے۔کہ اس حدیث کی اسناد مسلسل نہیں ہے اور یہ منقطع ہے۔اور اس حدیث سے موسیقی اور موسیقی کے آلات کی حرمت نہیں نکلتی۔مگر ایسا نہیں ہے۔یہ حدیث مستند ہے اور اسناد مسلسل ہے، یہ بات بیان کی ہے انتہائی مستند کتاب علوم الحدیث میں شیخ ابن صالح نے۔ان کی اس نچ کو ابن حجر نے فتح الباری میں درج کیا ہے۔(ج ۱۰ص۵۲ قاہرہ ایڈیشن)۔اس حدیث کے اسناد کو موصول (صحیح سند) قرار دینے والوں میں شامل ہیں ابن حجرؒ کے شیخ al haafidh al iraqi۔وہ بیان کرتے ہیں کہ سند کہیں سے ٹوٹی ہوئی نہیں ہے اور مسلسل ہے۔اور یہ معلوم ہوا ہے الاسماعیلی کے کام المستخرج میں سے،جس میں بخاری کے ایک ہی حدیث کے دیگر chain کو جمع کیا گیا ہے۔اور اسی طرح یہ معاملہ اور صاف ہو جاتا ہے ابن حجر کے شاندار تصنیف Taghleequt Ta'leeq سے،جس میں بخاری میں کے معلق (disconnected) اسناد کو ملایا گیا ہے، یوں اس سے شکوک دور ہو جاتے ہیں ان بخاری کی روایت کی گئی احادیث کے متعلق جن کے بارے میں ضعیف کا شک کیا گیا۔دیگر مستند روایات کا حوالہ دے کر اس حدیث کے متعلق ابن حجر نتیجہ بیان کرتے ہیں کہ: یہ ایک مستند حدیث ہے، اس میں کوئی کجی اور خرابی نہیں ہے۔نہ اس میں ایسی کوئی کمزوری پائی جاتی ہے کہ اس پر تنقید کی جائے اور اعتراضات کئے جائیں۔ابن حزم نے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے بوجہ کہ اس کے سند میں انقطاع ہے۔میں نے ۹ مکمل مسلسل اسناد کے سلسلے بیان کئے ہیں جو کہ پوری طرح جڑی ہوئی ہیں اور تمام راوی یقینی طور پر قابل اعتماد ہیں۔۔۔۔ میرے پاس کئی اور ایسی طرق (chains) ہیں جو میں

آپ کے سامنے رکھ سکتا ہوں مگر مجھے اس موضوع کو طول نہیں دینا۔ جو کچھ آپ کے سامنے رکھا گیا ہے ایک معقول سوچنے والے انسان کے لیے کافی ہیں۔ ۔۔ : (مکمل بحث کے لیے پڑھئے Taghleequt Ta'leeq vol 5 p 22)۔ (پیراگراف بحوالہ کتاب انگریزی میں موسیقی پر از ابو بلال مصطفیٰ الکندی)

محمد منیر قمر، اپنی کتاب گانا و موسیقی، مکتبہ کتاب وسنت سیالکوٹ میں اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے اس حدیث کو پورے جزم و یقین کے صیغے سے تعلیقاً بیان کیا ہے اور اس سے حجت لی اور استدلال کیا ہے جو محدثین کے نزدیک اس حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل ہے، چناچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں: آلات لہو موسیقی کے بارے میں ایک صحیح حدیث بخاری شریف میں ہے جسے امام صاحب نے اپنے شرائط صحت پر پوری پاتے ہوئے جزم و اوتماد کے ساتھ تعلیقاً روایت کیا ہے۔ (الاستقامہ ابن تیمیہ 294/1)۔ اس حدیث پر علامہ ابن حزم کا یہ اعتراض کرنا کہ اس میں انقطاع پایا جاتا ہے یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ ہشام بن عمار، امام بخاری کے اساتذہ میں سے ہیں اور بقول علامہ البانی اس حدیث کو کئی حفاظ وائمہ حدیث نے موصولاً بھی ہشام سے بیان کیا ہے جن میں سے چند ہیں: ☆ ابن حبان کے یہاں یہ حدیث صرف المعازف تک ہی ہے (265/8، حدیث 6719 الاحسان)، ☆ امام طبرانی (معجم الکبیر 319/3، ☆ حدیث :3417) اور طبرانی کے طریق سے ہی اسے ضیا المقدسی نے موافقات ہشام بن عمار (قلمی ۱/۳۷/۲ بحوالہ تحریم آلات الطرب للالبانی ص۴۰)، ☆ مسند الشامین للطبرانی (الطبرانی ۱/۳۳۴، حدیث:۵۸۸)، ☆ المستخرج علیٰ الصحیح للاسماعیلی اورانہی کے طریق سے سنن کبریٰ بیہقی (سنن کبریٰ بیہقی ۱۰ / ۲۲۱)۔ اور اس حدیث کو روایت کرنے میں ہشام اور ان کے استاد صدقہ بن خالد منفرد بھی نہیں بلکہ ان کی متابعت کئی دوسرے رواۃ نے کی ہے (دیکھئے: سنن ابی داؤد، حدیث ۴۰۳۹)۔ اس حدیث کو امام تیمیہ (ابطال التحلیل ص۲۷ بحوالہ تحریم آلات الطرب) اور علامہ ابن قیم نے (اغاثۃ اللھفان) نے صحیح و متصل قرار دیا ہے۔ التاریخ الکبیر امام بخاری (۱/۳۰۴، ۳۰۵) اس حدیث کے آخر میں امام بخاری نہ یہ صراحت کی بھی کی ہے کہ المعازف والی حدیث میں جو راوی حدیث صحابی ابو عامر یا ابو مالک میں شک ہے وہ اس روایت کی سند سے دور ہو جاتا ہے اور پتہ چل

جا تا ہے کہ وہ حضرت ابو مالک اشعریؓ ہیں۔ اوراس حدیث کوعلامہ ابن قیم نے صحیح السند قرار دیا ہے۔ (اغاثة اللهفان)۔۔مزید آگے لکھتے ہیں کہ بعض معاصرین نی یہ اعتراض کیا کہ حدیث بخاری کا ایک راوی عطیہ بن قیس مجہول ہے(حاشیہ اغاثة اللهفان ۱ / ۳۶۹. ۳۷۰ ۱ از محقق معاصر اوراسی کا مقالہ منشورہ در مجلہ الرباط الاردنیہ، نیز سلسلہ الاحادیث الصحیحہ، طبع جدید ، استدراک : ۳)۔پہلی بات تو یہ ہے کہ اس حدیث کودسیوں کبار محدثین کرام نے صحیح قرار دیتے ہوئے علامہ ابن حزم کا رد کیا ہے۔ جیسے امام بخاری ، ابن حبان ، اسماعیلی ، ابن الصلاح ، نووی ، ابنتیمیہ ، ابن قیم ،ابن کثیر ، ابن حجر ، ابن الوزیر ، امام سخاوی اور صنعانی رحمہم اللہ ہیں۔(تحریم الایات الطرب ص ۸۹)۔ دوسری بات یہ کہ اگر بالفرض محال اس راوی کومجھول بھی مان لیا جائے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑ تا کیونکہ وہ بھی اسے بیان کرنے میں منفرد نہیں بلکہ دوسرے دو راویوں نے ان کی متابعت کی ہے۔ (تاریخ امام بخاری ۱/۱/۳۰۵ ، ابن ماجہ ۴۰۲۰ ، ابن حیان ۱۳۸۴۔ الموارد، بیھقی 495/8، 231/10، ابن ابی شیبہ 107/8 ،حدیث : ۳۸۱۰، مسند احمد 342/5، معجم طبرانی کبیر ۳/۳۲۰۔۳۲۱، تارخ دمشق ابن وساکر ۲۲۹/۱۶۔۲۳۰ یہاں متابع ابومریم ہیں۔ جبکہ تاریخ کبیر ۱/ ۱/ ۳۰۴۔۳۰۵ میں متابع ابراہیم بن عبدالحمید ہیں۔

مختصراً بخاری کی رویات مستند ہے اور یہ روایت حرمت حدیث کے لیے سند ہے۔

کچھ حضرات نے ابن حزم کو درجہ مقام دیا اور یوں کئی غیرمحتاط لوگوں کوگمراہ کیا۔ مثال کے طور پر یوسف القرضاوی اپنی کتاب الحلال و الحرام (انگریزی: The lawful and prohibited in Islam) میں موسیقی کے متعلق لکھتے ہیں کہ موسیقی کے متعلق روایات میں فقہ الحدیث اوراس کے عالموں کے مطابق کہیں نہ کہیں کمزوری ملتی ہے۔ جبکہ فقہ الحدیث نام کی کوئی چیز حدیث کے تحقیق میں استعمال نہیں ہوتی۔ حدیث کے جو ماہرین ہوتے ہیں وہ اصحاب الحدیث یا نقدالحدیث یا المحدثون کہلاتے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ الزرقاوی نے بھروسہ کیا عام ماہرین پر جیسے الغزالی، ابن العربی اور ابن حزم بجائے یہ کہ ماہرین پر جیسے البخاری، مسلم، احمد، ابوداؤد، العراقی ، وغیرہ۔ یہ اوران جیسے لوگ دراصل حجت ہیں یعنی ان کی بات علم واصول حدیث کے ضمن میں حجت ہیں۔ ان کو الزرقاوی نے quote نہیں کیا حالانکہ ان ماہرین کا اجماع ہے حرمت موسیقی کے متعلق صحیح

احادیث موجود ہیں۔اسی طرح قاضی ابوبکر ابن العربی کہتے ہیں کہ کوئی مستند صحیح حدیث موسیقی کے حرمت کے لیے نہیں ہے۔ابن حزم کہتے ہیں ہر وہ حدیث جو کہ متعلق ہے حرمت حدیث اور گانے کے وہ غلط اور موضوع ہے۔(ص۲۹۳ الحلال و الحرام فی الاسلام)۔ اگر یہ ان ہی دو حضرات کے جملے ہیں تو بہت بڑی جسارت ہے اپنے حدود سے باہر نکلنے کی۔حدیث کا بڑے سے بڑا ماہر و رجال بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ حرمت موسیقی کے متعلق ہر حدیث غلط ہے۔کیونکہ کوئی بھی تمام احادیث کو ان کے سند کے ساتھ نہیں جانتا۔بلکہ اس طرح کہہ دیا جاتا ہے کہ جتنا میرے علم میں ہے یا جتنا میں جانتا ہوں کوئی مستند حدیث نہیں ہے۔۔۔۔۔وغیرہ۔یہ سچائی سے قریب تر یا کم از کم اس ماہر کے علم و عزت کو بچاتی ہے۔ (پیراگراف بحوالہ کتاب انگریزی میں موسیقی پر از ابو بلال مصطفیٰ الکندی)

بدقسمتی سے یہ جملہ یا بیان کہ موسیقی اور گانے سے متعلق تمام احادیث کے روایات، ماہرین حدیث کے نزدیک کمزور ہیں۔الزرقاوی کا یہ کہنا صریح غلطی ہے اور یہ کوئی باریک بینی سے کی ہوئی تحقیق کا نتیجہ نہیں ہوسکتا ہے۔اس کے بجائے یہ اندھا اعتماد ہے الزرقاوی کا ابن حزم اور ابن العربی کے الفاظ پر۔ابن حزم بلاشبہ ایک ذہین ہیں لیکن حدیث کے میدان میں ان کی تحقیق غلط اور بے بنیاد ثابت ہوئی۔ اس مسئلے پر متفق ہم آہنگی ان حدیث کے علماء کے درمیان جو بہت زیادہ شہرت یافتہ اور معزز ہیں کہ ابن حزم نے اپنا غلط کام البخاری کے مقابلے میں رکھا۔اس معاملے میں ابن العربی بھی ابن حزم کے برابر ہیں کیونکہ انھوں فوراً نے حرمت موسیقی سے متعلق احادیث کے متعلق فیصلہ دے دیا کہ وہ کمزور ہیں بجائے اس کے کہ وہ اس موضوع کے متعلق احادیث کی چھان بین کرتے۔اگر وہ چھان بین اور تحقیق کرتے تو وہ یقیناً ایک بہتر فیصلہ پر پہنچتے اور غلط الزامات اور باتوں سے بچتے۔(پیراگراف بحوالہ کتاب انگریزی میں موسیقی پر از ابو بلال مصطفیٰ الکندی)

دیگر احادیث:

ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن بریدؓ اپنے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں (مسند احمد 353/5،ترمذی 316/4،ابن حبان 2186۔الموارد،الصحیحۃ 142/4،حدیث 1609)ایک کالے رنگ کی کنیز نبی ﷺ کے پاس اُس وقت آئی جب آپ ﷺ ایک غزوہ سے واپس لوٹے تھے۔اُس نے کہا میں نے نذر مانی تھی کہ آپ ﷺ اگر اس غزوہ سے صحیح وسالم واپس تشریف لے

آئے تو میں آپ ﷺ کے پاس دف بجاؤں گی اور گاؤں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم نے نذر مانی تھی تو ایسا کرلو اور اگر تم نے نذر نہیں مانی تھی تو ایسا نہ کرو۔ اس نے دف بجانا شروع کی۔ حضرت ابوبکرؓ داخل ہوئے اور وہ دف بجاتی رہی۔ کئی دوسرے لوگ داخل ہوئے اور وہ دف بجاتی رہی، پھر حضرت عمرؓ داخل ہوئے تو اس نے اپنی دف اپنے پیچھے چھپالی، اور ایک روایت میں ہے کہ اپنے نیچے رکھ کر اُس کے اوپر بیٹھ گئی اور وہ عورت نقاب اوڑھے ہوئے تھی۔ اُس کی یہ حرکت دیکھ کر نبی ﷺ نے فرمایا اے عمر! تمھیں دیکھ کر شیطان بھی ڈر جاتا ہے۔ میں یہاں بیٹھا تھا اور وہ دف بجاتی رہی، یہ لوگ داخل ہوئے اور وہ دف بجاتی رہی اور اے عمر! جب تم داخل ہوئے تو اس نے یہ کیا۔ اور ایک اور روایت میں ہے کہ اُس نے دف پھینک دی۔

کہاں نبی ﷺ کی کسی جنگ سے صحیح و سالم آمد کی خوشی اور کہاں ہما شما کی کسی سفر سے آمد کی خوشی؟ خصوصاً جب کہ یہاں معاملہ کریم ﷺ کے ساتھ خاص ہے، عام لوگوں کے لیے نہیں جیسا کہ معالم السنن (382/4) اور تحریم آلات الطرب (ص ۱۲۴، ۱۲۵) میں علامہ محمد ناصر الدین البانیؒ نے ذکر کیا ہے۔

بانسری کی حلت:

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت نافعؒ بیان کرتے ہیں (ابو داؤد 4294,4296، سنن کبریٰ بیھقی 222/10، مسند احمد 8/2، ۳۸، صحیح ابن حبان ۱۰۲۳۔ الموارد، معجم طبرانی صغیر ص ۵، شعب الایمان بیھقی 5120/283/4 حافظ ابوالفضل محمد بن ناصر نے اسے صحیح قرار دیا ہے جیسا کہ تفسیر علامہ آلوسی 77/11، کف الرعاع ص ۱۰۹ علی حامش الکبائر للذہبی اور تحریم آلات الظرب للالبانی ص ۱۱۶ میں ہے) حضرت ابن عمرؓ نے ایک چرواہے کی بانسری کی آواز سنی تو اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ڈال لیں اور اپنی سواری کو راستے سے ہٹا لیا اور مجھ سے پوچھتے رہے کی کیا ابھی تم بانسری کی آواز سن رہے ہو؟ میں کہتا: ہاں، وہ اسی طرح چلتے جاتے یہاں تک کہ جب میں نے کہا: نہیں، تو انھوں نے اپنے ہاتھ نیچے کر لیے اور اپنی سواری کو دوبارہ راستے پر ڈال لیا اور فرمایا نبی ﷺ نے بھی ایک چرواہے کی بانسری کی آواز سن کر ایسا ہی کیا تھا۔۔ یہاں دو باتوں کا پیش نظر رکھنا ضروری ہے (۱) عربی زبان میں اَلسِّماعُ اور اَلْاِسْتِمَاعُ میں بہت فرق ہے۔ اَلسِّماعُ یہ ہے کہ کسی چیز کی

آواز کانوں میں پڑنے لگی اور وہ اسے چارونا چار سننے پر مجبور ہے جب کہ اَلْاِسْتِمَاعُ سے وہ سننا مراد ہے جو کسی کی ذاتی دلچسپی کے ساتھ ہو۔ اس حدیث میں نبی ﷺ اور پھر حضرت ابن عمرؓ دونوں کے لیے لفظ سَمِعَ استعمال ہوا ہے جو ناچار سننے کا پتہ دیتا ہے نہ کہ عمداً اور دلچسپی سے سننا۔ اور اگر یہ نہ ہوتا تو پھر کانوں میں انگلیاں ٹھونسنے کا کوئی معنی ہی نہیں بنتا۔ (۲) دوسری بات یہ کہ وہ چرواہا کہیں کسی پہاڑ کی چوٹی وغیرہ پر تھا اور نبی ﷺ کے لیے اس بات کا امکان نہیں تھا کہ آپ ﷺ اسے بانسری بجانے سے منع فرما سکتے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں۔

کتاب کیا موسیقی حرام نہیں ہے؟ از حافظ مبشر حسین لاہوری میں درج ہے کہ نافع نابالگ بچے تھے اور مکلّف نہ تھے۔ اس لیے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں کان بند کر لینے کو نہیں کہا۔ یہ آواز راہ چلتے غیر ارادی طور پر انہیں سنائی دی اور ایسی غیر ارادی طور پر سنائی دینے والی شیطانی آواز پر کوئی مواخذہ نہیں لیکن اس کے باوجود بہتر ہے کہ کانوں میں انگلیاں ڈال لی جائیں جس کا اظہار ابن عمر ﷺ نے کر دکھایا۔ ابن عمرؓ نے نافع کو اس طرح متعین و مامون نہیں کیا کہ وہ شوق سے بانسری کی آواز سنتے اور لطف اندوز ہوتے رہیں بلکہ انہیں اپنے کانوں میں انگلیاں نہ ڈالنے کی وجہ سے غیر ارادی طور پر جو آواز سنائی دے رہی تھی، اس کے ختم یا ختم نہ ہونے کا ابن عمرؓ ان سے سوال کرتے رہے۔

دیگر شبہات:

کچھ عرصے بعد کے کچھ شافعی علماء نے ابن طاہر (۴۴۴ تا ۵۰۷ھ) کے اس دعوے کو بیان کیا کہ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ غنا (گانا بجانا) پر متفق تھے لہٰذا ان کے بعد آنے والوں کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان کی authority کو چیلنج کریں۔ ایک شافعی عالم ابن حجر al haythami al makki (909 to 974H) ذکر کرتے ہیں کہ کچھ اس معاملے میں دعوی کرنے میں آگے نکل گئے کہ انھوں سے اہل مدینہ کے طریقہ کو بھی چیلنج کر دیا۔ یہاں تک کہ انھوں نے ۲۴ صحابہ کرامؓ اور لاتعداد تابعین اور ان کے پیروکار، چاروں امام (ائمہ اربعہ)، ان کے شاگردوں پر گانا گانے اور گانے سننے کی تہمت لگائی۔ شہاب الدین الضراعی (708-783ھ) نے ان تمام باتوں کو غلط کہا ہے اور اصرار کیا ہے کہ اس معاملے میں ابن طاہر اور اس کے دعوے کو ماننے والے بھروسے کے لائق نہیں ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ابن طاہر کی کتاب safwatut tasawwuf اور اس کے

مقالہ السماع میں ابن طاہر نے اپنے اس قول کو ثابت کرنے کے لیے شرمناک اور رسوا کن چیزیں ڈالی ہیں اور خوش وضع مواد شامل کیا ہے۔اس بات کو مزید واضح کرتے ہیں کہ جن باتوں کو صحابہ و دیگر سے منسوب کیا گیا تھا وہ کسی مستند بیانات پر مبنی نہیں تھا بلکہ ان باتوں پر کہ کچھ صحابہؓ شاعری اور نعرے سنتے تھے۔ وہ سادہ اشعار ہوتے تھے اور موسیقی کے آلات استعمال نہیں ہوتے تھے۔شہاب الدین الضراعی پھر ایک شافعی عالم عبدالقاسم الدولواقی کو نقل کرتے ہیں جنھوں نے اپنی کتاب السماع میں وہ نکتہ جس کے متعلق اشکال ہے واضح کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ نہ کسی صحابیؓ نے اس طرز والے گانے گائے ہیں جو کہ قابل اعتراض ہیں (قابل اعتراض سے مراد وہ گانے جس میں موسیقی کے آلات استعمال ہوئے ہوں) نہ ایسے گانے کے لیے لوگوں کو جمع کیا گیا نہ ہی انھوں نے گانے کی محفل بنائی (چاہے انفرادی یا اجتماعی) نہ ہی انھوں نے گانوں کی تعریف کی ۔ بلکہ صحابہ کرامؓ کی یہ عادت تھی کہ ایسے اجتماع کا جس میں گانا سنا گایا جارہا ہو، انھوں نے مذمت کی اور شرکا اور فاعل کو قصوروار ٹھرایا۔(پیراگراف بحوالہ کتاب انگریزی میں موسیقی پر از ابو بلال مصطفیٰ الکندی)

ابن حجر al haythami اپنے خطبے کو اس نتیجے پر ختم کرتے ہیں کہ یہ بات واضح ہے یہ جائز نہیں ہے کہ ابن طاہر کے نظریات کی اندھی تقلید کی جائی کیونکہ وہ نہ روایات کی نقل میں صحیح ہیں نہ ہی اپنی ذاتی رائے میں یعنی عقل میں وہ جھوٹا، نئ نئ بات کو پیدا کرنے والا اور اوباش، آوارہ تھا۔اور وہ جو ابن طاہر کے نظریات کو لے کر چلے اور یہ کہا کہ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ وغیرہ نے موسیقی کو جائز قرار دیا ہے، دراصل یہ کہہ کر انھوں نے بڑی غلطی کی ہے۔ موسیقی اور گانا گانے کے دو طرح سے ہیں (۱) جس کی اجازت ہے (۲) جو حرام ہے۔ صحابہ کرامؓ کے شاعری اور نعرے سننے سنانے کو موسیقی اور گانے کے دوسری قسم سے منسوب کرنا غلط ہے اور قواعد اور اصول حدیث پر پورا نہیں اترتا۔ان اصولوں سے یہ معلوم چلتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے متعلق اگر کچھ سننے اور سنانے کا معاملہ ہو تو اسے پہلی قسم سمجھنا چاہیے۔
(ص ۶۷، Kaffur Ra'aa)۔(پیراگراف بحوالہ کتاب انگریزی میں موسیقی پر از ابو بلال مصطفیٰ الکندی)

اس مسئلے سے متعلق یوسف القرضاوی بڑی جسارت سے لکھتے ہیں : صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ غنا (موسیقی) سنتے تھے اور ان کو اس پر کچھ اعتراض نہیں تھا: یہ پرزور دعوی غلط

ہے بہت سی وجوہات کی وجہ سے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ بات ثابت ہے مگر کوئی مستند ثبوت پیش نہیں کرتے ہیں۔کوئی ایک اثرنہیں پیش کرتے۔(دین کے متعلق کوئی بات اگر کی جائے تو لازم ہے کہ روایات پیش کئے جائیں، اسناد سامنے لائے جائیں ورنہ وہ بات قابل قبول نہیں۔ یوں جس کے دل میں جو بات آجائے وہ اس کو دین کے متعلق دلیل اور حجت بنادے گا)۔الزرقای پڑھنے والوں کو یہ یقین دہانی کی کوشش کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ ہر قسم کا گانا سنتے تھے۔اس بات کو عام الفاظ میں اس طرح پیش کیا ہے کہ: وہ گانا سنا کرتے تھے: دراصل صحابہ کرامؓ وہی سنتے تھے جس کی سنت میں اجازت ہے۔ بہت سخت پہرے ہیں کہ کلام کیا ہو، سنانے والا، سننے والا، موقع، اور پیش کرنے کا طریقہ، پیش کرنے کا اسلوب اور ڈھنگ۔ جو صحابہ کرامؓ کے مبارک زمانے میں ہوتا تھا اور جو زرقاوی نے دعوی کیا ہے ان میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔

درحقیقت تمام صابہ کرامؓ اس بات پر متفق تھے کہ موسیقی حرام ہے سوائے چند استثنات کے جو سنت سے ثابت ہوں۔صحابہ کرام سے متعلق بہت سی روایات اس بات پر گواہ ہیں۔ مثلاً بیہقی سے روایات ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا: گانا گانے سے دل میں منافقت کی کونپل پھوٹتی ہے جیسے بارش سے گھاس اور پودے پھوٹتے ہیں:۔اسی حدیث کے پہلے حصہ میں سائل نے لہوالحدیث (سورہ لقمان ٦) کے متعلق ان سے پوچھا جس کے جواب میں انھوں نے فرمایا: اللہ کی ذات کی قسم جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں کہ اس سے مراد گانا ہے:۔اس جملے کو انھوں نے تین بار دہرایا اس بات کو واضح کرنے کے لیے کہ قرآن کے یہ الفاظ گانے کے متعلق ڈانٹ ڈپٹ اور مذمت کے لیے آئے ہیں۔فقہا صحابہ کرامؓ کی بھی یہی رائے ہے جیسے ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، جابر بن عبداللہؓ اور ان کے ساتھ دیگر تمام صحابہ کرامؓ۔ دیکھئے تفسیر قرطبی جلد۱۴ص۵۱۔۵۲ اور علامہ آلوسی کی تفسیر روح المعانی جلد۲۱ص ٦٦ تا ٦٨۔ چاروں خلفائے راشدینؓ کی بھی یہی رائے تھی۔اب جو فرد، ادارہ، اکادمی وغیرہ اس رائے سے متفق نہیں ہے وہ لازماً مستند اسناد اور دلائل پیش کرے اور وہ دلیل، سند خاص اسی موضوع سے متعلق ہو۔(پیراگراف بحوالہ کتاب انگریزی میں موسیقی پر از ابوبلال مصطفیٰ الکندی)

کچھ طبقات یہ کہتے ہیں، اور کچھ تصنیفات میں درج بھی ہے کہ کچھ علمائے کرام کو گانا گانے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ان علمائے کرام کے اسمائے گرامی اوران کے اقوال دیکھتے ہیں جو موسیقی سے

متعلق ہیں ۔ اسلام کے ابتدا کے زمانے کے نام ہیں ابراہیم بن سعد ، مدینہ سے، عبیداللہ ابن الحسن الانباری، بصرہ سے، اور ابوبکر ابن الخلال، حنبلی عالم ۔ایک شافعی عالم ابن طاہر سے متعلق ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں ۔ یہ بیان کی گیا ہے کہ یہ تین علماء سادہ غنا (گانا) کو حرام نہیں کہتے تھے، جو کہ موسیقی کے بغیر ہو۔اوراب جوزی نے لکھا ہے کہ ابن الخلال روحانی نظموں کے خوبصورت اور ترنم کے پڑھنے کو صحیح کہتے تھے ۔ چناچہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان علمائے کرام کو غلط طور پر پیش کیا جاتا ہے موسیقی کے حلت کے لیے کہ یہ علما بھی موسیقی کو جائز نہیں سمجھتے اور اس معاملے پر متفق ہیں ۔ (پیراگراف بحوالہ کتاب انگریزی میں موسیقی پر از ابو بلال مصطفیٰ الکندی)

بعد کے علما جو کہ موسیقی کے حلت کے لیے کہے جاتے ہیں وہ ہیں ابن حزم، ابن العربی اور الغزالی ۔ ابن حزم اور ابن العربی کے متعلق کچھ ہم پہلے بات کر چکے ہیں ۔ایک آخری جواب خود ابن حزم کے الفاظ میں : ہم پر یہ لازم ہے کہ ہم کسی کی بھی بات نہ قبول کریں اللہ کے رسول ﷺ کے قول کے بعد، یہاں تک کہ وہ اس بات کو اللہ کے رسول ﷺ سے روایت نہ کرے : ہم پہلے بیان کر چکے ہیں صاف صاف الفاظ میں ، مستند احادیث کی روشنی میں کہ موسیقی ،غنا حرام ہیں اور یوں ہمیں اللہ کے رسول ﷺ ہی کی بات ماننی ہے، چاہے کوئی عالم کچھ اور کتنا ہی بیان کرے ۔ غزالی یوں پیش کئے جاتے ہیں کہ (مثلاً یوسف قرضاوی اپنی کتاب الحلال والحرام فی الاسلام میں) کہ وہ موسیقی کو حرام قرار نہیں دیتے ۔ یہ بات یہاں سمجھ لینی چاہئے کہ غزالی کی یہ رائے معصومانہ گیت، کھیل اور تفریح کے متعلق ہے ۔ انھوں نے کہیں بھی موسیقی کے آلات کے ساتھ گانے کے متعلق دلیل نہیں دی ہے ۔ لہٰذا یہ ان پر بہت بڑا ظلم اور صریح بہتان ہے کہ وہ موسیقی کو جائز کہتے ہیں، ایک ایسی بات کا ان پر الزام لگایا جاتا ہے جو دراصل انھوں نے کی ہی نہیں ۔ جن دو مواقع کا غزالی نے ذکر کیا ان میں سے کوئی بھی موسیقی کی حلت کو ثابت نہیں کرتے ۔ پہلا عید کا موقع ہے کہ جس میں حضرت عائشہؓ دو بچیوں کو سن رہی تھیں جو انؓ کے لیے گا رہی تھیں دف کے ساتھ ۔ ان اشعار کے الفاظ سادہ عربی شاعری تھی جو کہ بیان کرتے تھے شجاعت ، نیک اخلاق اور جنگی شاعری ۔ (دیکھیے ابن قیم کے مدارج السالکین ص۴۹۳) ۔ یہ تو ثابت ہیں مگر موسیقی اور موسیقی کے ساتھ گانے کا کوئی دلیل نہیں نکلتی ۔ سوائے دف کے ۔ دوسرا موقع ہے حضرت عائشہ حبشی جنگجوں کو دیکھ رہی تھیں جو کہ کچھ جنگی کرتب دکھا رہے تھے تلوار اور ڈھال کے ساتھ ۔ یقیناً اسلام میں physical

exercises اوراور صلاحیتوں کے اظہار کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ قابل تعریف ہیں، خاص طور پر جب وہ کئے جارہے ہوں قتال کے لیے جسم اور ذہنی تیاری کے لیے۔ضروری ہے کہ ہم یہ بات یہاں سمجھ لیں کہ احادیث میں موسیقی اور گانے کی اجازت کا کوئی ذکرنہیں ہے۔لہٰذا موسیقی کی حلت بذریعہ احادیث کے دعوی کمزوراور غلط ہیں۔(پیراگراف بحوالہ کتاب انگریزی میں موسیقی پراز ابو بلال مصطفیٰ الکندی)

اگر مان بھی لیا جائے کہ غزالی یا کچھ اور علماء نے موسیقی کو جائز قرار دیا ہوتو اس کا ٹھیک وہی جواب ہوگا جو ابن حزم اور ابن العربی کو دیا گیا کہ جو چیز بھی سنت سے تصادم ہوتی ہو وہ رائے قابل قبول ہی نہیں بلکہ قابل توجہ بھی نہیں ہے۔(پیراگراف بحوالہ کتاب انگریزی میں موسیقی پراز ابو بلال مصطفیٰ الکندی)

یہ کوئی مبالغہ آرائی نہیں کہ موسیقی کے حرمت کے متعلق امت اسلام کے علماء کے درمیان کتنی عام موافقت اور ہم آہنگی ہے۔ یہ اس لیے کہ یہ اجماع ان لوگوں نے کیا جن کا اجماع معزز اور مستند ہے۔جیسے صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور چاروں محترم اور مشہور امام حضراتؒ۔ یہ امت کے بہترین لوگوں میں سے تھے جن کی گواہی خود اللہ کے رسول ﷺ نے دی ہے: میری امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جو میرے ساتھ ہیں، ان کے بعد وہ جنھوں نے پہلوں کی پیروی کی اور پھر وہ جنھوں نے ان کی پیروی کی: (بخاری) بعد کے کچھ لوگوں نے ان نیک لوگوں کی رائے سے اختلاف کیا۔ ان کے اجماع کے ذریعے مستحکم شریعت سے انحراف ان کے کج روی کی واضع مثال ہے،جس کا کوئی وزن نہیں ہے۔کوئی جواز نہیں ہے ان کے آراء کا۔مثلاً (۱) وہ چند مخصوص روایات کو مرتب کرتے ہیں اور حرمت موسیقی کے روایات کو چھوڑ دیتے ہیں۔اپنی بات کو کوئی معقول اور متعلقہ بیان سے مزین نہیں کرسکتے بلکہ وہ محض ان لوگوں کی اپنی رائے اور خیالت پر مبنی ہوتی ہیں۔(۲) مسلمانوں سے تقاضا ہے کہ میدان جنگ میں وہ اللہ کی طرف رجوع کریں، دل کی گہرائیوں سے دشمن پر غالن آنے کی دعا کریں۔اس سے دلوں کو اطمینان اور سکون ملتا ہے۔ جہاں تک موسیقی کا تعلق ہے یہ ان کو اللہ کی یاددہانی سے دور کرتی ہے۔اللہ تعالی فرماتے ہیں سورہ انفال (۸:۴۵) اے ایمان والوں جب تمھارا کسی جماعت سے مقابلہ ہوتو ثابت قدم رہو اور اللہ کو زیادہ یاد کروتا کہ تم کامیابی حاصل کرو۔ (۳) ڈرم (drum) اور عسکری موسیقی (military

music) کا استعمال ان لوگوں کا شیوہ ہے جو اللہ اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو نہیں چھوڑتے ان چیزوں کو جس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے روکا ہے، نہ ہی وہ دینِ حق کی پیروی کرتے ہیں (توبہ ۲۹:۹) چنانچہ ان لوگوں کی مشابہت سے ہمیں روک دیا گیا ہے۔ سنن ابن داؤد میں ہے: جو جس تہذیب کی مشابہت اختیار کرے گا وہ ان ہی میں سے ہے: خصوصاً جن کے استعمال سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں روکا ہے۔ (پیراگراف بحوالہ کتاب انگریزی میں موسیقی پر از ابو بلال مصطفیٰ الکندی)

بعض اہل تصوف کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے یہاں سماع (قوالی وغیرہ) روا ہے اور وہ سنتے ہیں اور درباروں اور مزاروں میں یہ عام ہے۔ شہاب الدین سہرورویؒ کہتے ہیں کہ چونکہ سماع کی راہ سے فتنہ عام ہے اور لوگوں میں سے نیکی جاتی رہتی ہے اور اس راہ میں میں وقت برباد ہوتا ہے، عبادات کی لذت کم ہو جاتی ہے۔ نفسانی خواہشات کی تسکین اور ناچنے گانے والوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے سماع کی محفلیں منعقد کرنے کا شوق بار بار پیدا ہوتا ہے حالانکہ یہ بات مخفی نہیں کہ اس قسم کے اجتماعات سے صوفیا کے ہاں ناجائز اور مردود ہیں (عوارف المعارف، ص ۱۸۷)۔ شیخ نصر الدین طوسیؒ سے دریافت کیا گیا کہ بعض لوگ ایک جگہ بیٹھ کر پہلے قرآن پاک پڑھتے ہیں اس کے بعد ایک شخص اٹھ کر اشعار گاتا ہے۔ پھر سب مست ہو کر رقص کرتے ہیں اور دف بجاتے ہیں۔ کیا ایسے لوگوں کے ساتھ شریک ہونا جائز ہے؟ شیخ نے جواب دیا: اکابرین صوفیا کے نزدیک ایسا کرنا غلط اور گمراہی ہے۔ اسلام تو صرف اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) اور سنت رسول ﷺ کا نام ہے: (کف الرعاع: جز ۱، ص ۵۱)۔ ابو علی روباذیؒ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص آلات موسیقی سے لطف اندوز ہوتا ہے اور دعوی کرتا ہے کی ایسا کرنا میرے لیے حلال ہے کیونکہ میں اتنا پہنچا ہوا ہوں کہ احوال کا اختلاف مجھ پر اثر انداز نہیں ہوتا؟ آپ نے جواب دیا: ہاں وہ پہنچا ہوا ہے، مگر کہاں؟ جہنم میں: (کف الرعاع: جز ۱، ص ۵۳)۔ شیخ سنجریؒ نے ذکر کیا ہے کہ نظام الدین اولیاؒ کے ہاں مجلس ہو رہی تھی اور سماع کا مسئلہ زیر گفتگو تھا۔ حاضرین میں سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ آپ کے لیے تو جب چاہیں سماع مباح ہو جائے اس لیے کہ آپ کے لیے حلال ہے۔ انھوں نے جواب دیا نہیں، جو چیز حرام ہوتی ہے وہ کسی ایک کے لیے حلال نہیں ہو جاتی اور جو چیز حلال ہوتی ہے وہ کسی شخص کے کہنے سے حرام نہیں ہو جاتی (**فوائد الفواد** ص ۴۲۳)۔ شیخ عبد الحق دہلویؒ ذکر کرتے ہیں کہ ایک دن نظام الدین اولیاؒ نے ایک مجلس منعقد کی اور

عورتوں سے دف کے ساتھ گانا سننے لگے۔ شیخ نصیرالدین چراغ دہلویؒ بھی اس مجلس میں موجود تھے، انھوں نے یہ ماجرا دیکھا تو اٹھ کر مجلس سے باہر جانے لگے مگر آپ کے ساتھی وہیں بیٹھے رہے۔ آپ نے فرمایا یہ خلاف سنت فعل ہے۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ آپ سماع کا انکار کرتے ہیں اور اپنے پیر کے راستے کو چھوڑتے ہیں۔ شیخ نے جواب دیا کسی کا عمل حجت نہیں، حجت صرف کتاب وسنت ہے۔ (اخبار الاخبار)۔ شیخ عبدالحق دہلویؒ لکھتے ہیں کہ شیخ نصیرالدین چراغ دہلویؒ کے مریدین کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ کا فرمان ہے کہ جو شخص راگ کو باجوں کے ساتھ سنے وہ ہماری بیعت واردات سے نکل گیا۔ (السنہ الجلیہ ص ۵۸)۔ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ ذکر کرتے ہیں: آیات، احادیث اور فقہی روایات گانے بجانے کی حرمت میں اس قدر ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے۔ اگر کوئی شخص منسوخ روایات یا شاذ روایت کو گانے کے مباح ہونے کی دلیل میں پیش کرے تو وہ ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ کسی فقیہ نے کسی زمانے میں سرود کے مباح ہونے کا فتوی نہیں دیا ہے اور نہ ہی رقص و پا کو جائز رکھا ہے:۔ (مکتوبات، دفتر اول مکتوب نمبر ۲۶۶)۔ (پیراگراف بحوالہ کتاب انگریزی میں موسیقی پر از ابو بلال مصطفیٰ الکندی)

ایک فلم، (خدا کے لیے۔ شعیب منصور کی پیشکش، جنؤ اور جنگ گروپ اس کے پرموٹر)، میں ایک حدیث کے طور پر یہ کہا گیا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ موسیقی کو حرام بھی سمجھیں اور حضرت ابوبکرؓ سے پوچھیں کہ بارات جس قبیلے میں گئی ہے وہ انصار ہیں اور انصار موسیقی کے بہت رسیا ہیں۔ تم نے بارات کے ساتھ کوئی گانے والی بھی بھیجی ہے یا نہیں۔ غور کیجئے لفظ رسیا۔ انصار جیسی معزز اور مبارک جماعت کے لیے۔ اس میں حدیث کے دو روایات کو خلط ملط کر کے پیش کیا گیا۔ ایک رویات جو کہ پچھلے صفحات میں آ چکی ہے اور دوسری روایت دراصل ہ فتح الباری کے صفحہ 167 اور 185 پر درج ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک عورت، ایک انصاری کے پاس نکاح کے بعد رخصت کر کے بھیجی گئی تو حضور ﷺ نے پوچھا، دلہن کے ساتھ کسی لڑکی کو بھی بھیجا ہے جو دف بجائے اور گانے گائے۔ میں نے عرض کیا وہ گاتی کیا؟ (مولانا گوہر رحمان اپنی تالیف تفہیم المسائل کے صفحہ نمبر 506 پر ابن حجر کے حوالے سے نقل کرتے ہیں) (کتاب: فلم خدا کے لیے از کاشف حفیظ صدیقی)

شبہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین و تابعین رحمھم اللہ جمیعاً وسلف صالحین رحمھم اللہ جمیعاً سے معازف کے استعمال یا سمع غناء کا ثبوت ملتا

ہے،اس کی کیا توجیہ کی جائے گی۔

اصل حقیقت وہی ہے جسے امام ابن تیمیہ نے پیش کیا ہے۔تالیاں بجانا، گانا، ڈھول بجانا، ایسی مجلسوں میں شریک ہونا اور اسے عبادت و دین سمجھنا اسلام سے نہیں ہے۔ نہ نبیﷺ نے اس کی اجازت دی ہے، نہ آپﷺ کے خلفاء نے اسے روا رکھا ہے، نہ مسلمانوں کے کسی امام نے اسے مستحسن قرار دیا ہے۔دین داروں میں سے کسی نے بھی ہی فعل نہیں کیا، نہ رسول اللہﷺ کے زمانہ میں، نہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں، نہ تابعین جمیعاً کے زمانہ میں، نہ تبع تابعین جمیعاً کے زمانہ میں، بلکہ خیرون القرون میں کسی مسلمان بھی اس قسم کے سماع میں کبھی شریک نہیں ہوا، نہ حجاز میں، نہ شام میں، نہ یمن میں، نہ عراق میں، نہ خراسان میں، نہ مغرب میں، نہ مصر میں، بلکہ یہ چیز سرے سے موجود ہی نہ تھی۔تیسرے قرن میں یہ ایجاد کی گئی، اسی لیئے امام شافعی نے اس کی نسبت فرمایا: بغداد میں ایسی چیز چھوڑ آیا ہوں جسے زندیقوں نے ایجاد کیا ہے (رسالہ وجد وسماع ص ۷۱)۔اما ابن تیمیہ لکھتے ہیں: اسحاق بن موسیٰ نے امام مالک سے سوال کیا کہ اہل مدینہ کس قسم کے گانے کو مباح سمجھتے تھے۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا یہ فعل ہمارے ہاں صرف فاسق ہی کرتے ہیں:۔۔۔اس کے بعد لکھتے ہیں: بعض لوگوں نے امام مالک کی نسبت کہا ہے کہ انھوں نے ستار اور سارنگی سے شغل کیا ہے۔ یہ ایک سخت تہمت ہے جو جاہلوں نے ایجاد کی ہے، یہ میں نے اسلیے بیان کر دیا کہ ابوعبدالرحمان سلمی اور محمد بن طاہر مقدسی نے اس باب میں بکثرت حکایت و آثار نقل کئے ہیں، جو لوگ علم صحیح اور احوال سلف سے واقف نہیں ہیں وہ ان تحریروں سے دھوکے میں پڑ سکتے ہیں: (پیراگراف بحوالہ کتاب انگریزی میں موسیقی پر از ابو بلال مصطفیٰ الکندی)

شبہات کا ایک اور سیٹ:

موسیقی و دیگر کے حامیوں و گروہوں، موسقیران، گلوکران، آڈیو وڈیو فلموں گانوں کے تاجران اور فلم ساز، اسکالرز اور جدید تعلیم سے فارغ شدہ اور مفکرین کے کچھ حضرات وخواتین بشمول میڈیا، ٹی وی کے ٹاک شوز کے میزبان کہتے ہیں کہ موسیقی سے گانوں سے رقص سے نوجوان طلبہ اور طالبات، و دوران مطالعہ، دماغی تھکن دور ہوتی ہے، بیوپاریوں کو گاہکوں سے بھاؤ تول کرنے کی ذہنی کشمکش سے پیدا ہونے والی جسمانی تھکن، دور ہوتی ہے، خوش وخرم ہو جاتے ہیں، کسانوں کو کھیتوں میں

کمر توڑ محنت اور حالات کی مایوس کن حوصلہ شکن فضاؤں سے نکال کر انہیں ان کی پسند کی دھنوں اور گیتوں کے بولوں سے نیا ولولہ ملتا ہے، ☆ بسوں، ویگنوں، ٹرکوں اور ٹرالی کے ڈرائیورں کو لمبے سفر کی اعصاب شکن زندگی میں ان کی پسند کے مطابق کبھی وصال کبھی فراق، وشق ومحبت، ٹھمریاں قوالیاں وغیرہ سنا کر چاق و چوبند کر دیا جاتا ہے، سست عشق ومحبت میں دل شکستہ اورغربت کے گھائل نوجوانوں کے ارمانوں کو نغموں سے دلاسا دیا جاتا ہے، بوڑھوں کو پھر سے جوان کر دیا جاتا ہے، گلیاں اور محلوں کی آبادیاں نغموں گیتوں اور دھنوں پر رقص کرتی ہیں، اوران تمام افعال سے ثقافت، کلچر، آرٹ اورفن کی خدمت ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کی تائید پھر حاکم وقت بھی کرتے ہیں ۔ علامہ ابن حزمؒ (سلامی وعلمی دنیا کے بڑے معروف عالم، مگر ے گرتے ہیں شاہسوار ہی میدان جنگ میں، کوئی عالم معصوم نہیں ہوتا کے مصداق) نے ایک رسالہ (رسالة فی الغناءِ الملهی، أمباح ام محظور) میں انھوں نے ہرقسم کے گانے اورموسیقی کو مباح و جائز قرار دیا ہے۔

اسی طرح مصر کی جماعت اسلامی کے ماہنامہ الاخوان المسلمون شمارہ ۱۱، بابت ۲۹ ذوالقعدہ ۱۳۷۳ھ میں ایک سوال کے جواب میں معروف مصری عالم شیخ محمد ابوزہرہ نے بھی ھانے اورموسیقی کو مباح و جائز کہہ دیا، اس شرط کے ساتھ کہ موسیقی وگانے میں جنسی جذبات کوتحریک دینے والا کوئی موادنہ ہواورنہ ہی وہ نماز اورذکر الٰہی کی راہ میں رکاوٹ بنے تو اس کے مخالف دین اورحرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ مصری وزیر اوقاف نے ملکی ووطنی خدمات پر مامور موسیقی کو نماز اورروزہ کی طرح ایک عبادت بنا دیا ہے۔ پاکستان کے ایک سابق وزیر اطلاعت ونشریات کوثر نیازی نے فلمی دنیا سے متعلقہ لوگوں کے اجتماع میں موسیقی کو روح کی غذا قرار دیا تھا۔

پچھلے صفحات پر درج شدہ بحث کے ذیل میں ایک اوررخ سے بات کی جاتی ہے کیونکہ مندرجہ بالا جیسے معروف لوگ جب ایسی کوئی بات کہہ دیں تو وہ بات مشہور ہو جاتی ہے، پروپیگنڈا کا شکار ہو جاتی ہے، موسیقی کے حامیان کو ایک اور نکتہ مل جاتا ہے اپنی حمایت کے لیے، اورکمزور دل شک میں پڑ جاتے ہیں۔ (پیراگراف بحوالہ کتاب انگریزی میں موسیقی پر از ابوبلال مصطفیٰ الکندی)

ایک شرعی قاعدہ ہے کہ سد باب یا سد ذریعہ۔ اسلام نے اگر کسی چیز کو حرام قرار دے دیا تو اس کے تمام راستے اور دروازے بھی بند کر دئے اوراس تک پہنچنے والے تاما وسائل و ذرائی کو بھی حرام

کر دیا مثلاً جب زنا کو حرام قرار دیا تو اس تک پہنچنے والے تمام امور جیسے بے پردگی، غیرمحرم دوزن کی خلوت، مردوزن کا بے حجاب اختلاط، ننگی و نیم عریاں تصویریں، گندی تحریریں اور فحش گانے وغیرہ بھی ممنوع قرار دے دیئے۔ اور فقہانے یہ قاعدہ طے کردیا: مَا أَدَّیٰ اِلی الْحَرامِ فَهُوَ حَرَامٌ ہر وہ چیز جو کسی حرام فعل کی طرف لے جانے والی ہو، وہ چیز بھی حرام ہے۔ اس قاعدہ کے تحت کتاب وسنت سے درجنوں مثالوں کے لیے دیکھیے کتاب **اغاثة اللهفان من مصايد الشيطان**، از علامہ ابن قیمؒ۔ موسیقی و گانا اور فحش گفتگو کرنا اور سننا محض گناہ ہی نہیں بلکہ زنا کی ایک قسم شمار کیا گیا ہے جیسے کہ صحیح مسلم، ابوداؤد اور دیگر کتب حدیث میں ارشاد نبوی ﷺ ہے: کانوں کا زنا سننا ہے، اور زبان کا سننا کرنا ہے: (فحش و بری باتیں سننا اور کہنا)۔ آپ ﷺ نے مزید فرمایا(**صحيح مسلم 52/8، صحيح ابو دائود 1868، مسند احمد 343,276:8، سلسله الاحاديث الصحيحه 1787**) ہاتھوں کا کا زنا پکڑنا (اور ایک روایت میں چھونا ہے)، پاؤں کا زنا (برے کام کے لیے) چلنا ہے، منہ کا زنا (حرام) بوسہ لینا ہے، دل مائل ہوتا ہے اور تمنا کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق کرتا ہے۔۔۔۔ سد باب والے قاعدہ اور اس حدیث کو پیش نظر رکھیں تو موسیقی و گانے کی قباحتیں کھل کر سامنے آجاتی ہیں۔

ایسا ہی ایک اور قاعدہ بھی ہے کہ مسلمان حرام تو حرام، ان چیزوں سے بھی اجتناب کرے جو کہ حلّت وحرمت واضح نہ ہونے کی وجہ سے مشتبہ ہوں، تاکہ مشتبہ امور و اشیاء میں واقع ہونے کے نتیجہ ہمیں وہ کہیں صریح حرام میں واقع نہ ہوجائے۔ اور یہ قاعدہ بھی دراصل سد باب وسد ذریعہ والے قاعدے کی ہی ایک قسم ہے۔ اور اس قاعدہ کی اصل وہ حدیث ہے جو کہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت نعمان بن بشیرؓ سے مروی ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد مبارکہ ہے: (**بخاری و مسلم، سنن اربعه، صحيح الجامع الصغير: ٣١٩٣، غاية المرام فى تخريج احاديث الحلال و الحرام: ٢٠**) : حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے مابین کچھ امور مشتبہ ہیں جن کی حقیقت کو بکثرت لوگ نہیں جانتے۔ لہٰذا جو شخص ان مشتبہ امور سے بچ گیا، اس نے اپنی آبرو اور دین کو محفوظ کرلیا اور جو ان مشتبہ امور میں مبتلا ہوگیا وہ حرام میں مبتلا ہوگیا۔۔۔: اور اس کے آگے نبی کریم ﷺ نے بادشاہ کی چراگاہ کی مثال دیتے ہوئے سمجھایا کہ اگر کوئی شخص اس خاص چراگاہ کے قریب اپنے

جانور چرائے گا تو وہ کسی بھی وقت اس چراگاہ میں جانکلیں گیں۔خبردار! جس طرح ہر بادشاہ کی ایک خاص جگہ و چراگاہ ہے اسی طرح اللہ کی چراگاہ اس کے حرام کردہ امور ہیں۔۔۔ اس قاعدہ کی رو سے بھی گانے اور موسیقی کا جواز ختم ہو جاتا ہے اور وہ کم از کم مشکوک ومشتبہ اشیاء میں داخل ہو جاتے ہیں جن کا سننا اور ان کے لیے دل میں نرم گوشہ رکھنا عالم تو عالم، کسی عام مسلمان کو بھی زیب نہین دیتا۔ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے اپنی کتاب الحلال و حرام فی السلام میں ان مذکورہ دونوں قاعدوں کا خود بڑے پر ستائش انداز سے ذکر بھی کیا ہے مگر گانا اور موسیقی کے معاملے پر قواعد شریعت کی اتباع نہیں کر سکے۔ (الحلال و حرام فی السلام ص۱۳۱: تیرہواں ایڈیشن) (پیراگراف بحوالہ کتاب انگریزی میں موسیقی پر از ابو بلال مصطفیٰ الکندی)

غامدی مکتبہ فکر:

غامدی مکتبہ فکر اور ان کا حلقہ اشراق کا نمائندہ اور نقیب اردو ماہنامہ اشراق مارچ ۲۰۰۴ کا شمارہ اسلام اور موسیقی کے عنوان سے خصوصی اشاعت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔مضمون نگار منظور الحسن کے بقول یہ مضمون ان کے استاد جاوید احمد غامدی کے افادات پر مبنی ہے اور انہی کی رہنمائی میں تحریر کیا گیا ہے۔خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ موسیقی، میوزک، رقص وسرود بلکہ غیر محرم مرد وزن کے رقص وموسیقی سے لطف اندوز ہونے اور ان کے فن کا مظاہرہ دیکھنا، جائز ہے۔ساتھ ہی یہ بھی کہ حضورﷺ بھی (معاذ اللہ) غیر محرم عورتوں کے گانے بجانے اور رقص وموسیقی سیلطف اندوز ہوا کرتے اور اپنی ازواج کو بھی ان کے ناچ کا فن دکھا کر ان کا دل بہلایا کرتے تھے۔ (اور اب تو مختلف چینل خصوصاً جئو ٹی وی میں وہ اور ان کے شاگرد کھل کر موسیقی کو حلال کہتے ہیں)۔کچھ نکتے یوں ہیں کہ آپﷺ مدینہ تشریف لائے تو عورتوں نے دف بجا کر گیت گائے، آپﷺ نے انھیں پسند فرمایا، ماہر فن مغنیہ نے آپﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا گانا سنانے کی خواہش ظاہر کی تو آپﷺ نے سیدہ عائشہؓ کو اس کا گانا سنایا، سیدہ عائشہؓ حضورﷺ کے شانے پر سر رکھ کر بہت دیر تک گانا سنتی اور رقص دیکھتی رہیں۔ (ص ۱۹) نبیﷺ نے نہ صرف موسیقی کو پسند فرمایا بلکہ بعض موقعوں پر اس کی ترغیب بھی دی (ص ۱۹)۔اس موقع پر عورتوں اور بچوں اور مغنیات نے دف بجا کر استقبالیہ نغمے بھی گائے جنھیں نبیﷺ نے پسند فرمایا (ص ۲۶)۔نبیﷺ شادی کی کسی تقریب میں گئے تو باندیاں گیت گارہی تھیں۔آپﷺ کی آمد کے بوجود

گانے کا سلسلہ جاری رہا، گانے والیوں گانے میں دف استعمال کر رہی تھیں۔ نبیﷺ توجہ سے گانا سن رہے تھے (ص ۳۰)۔ ماہرفن مغنی اور مغنیات اور رقاص اور رقاصائیں عرب میں موجود تھیں اور نبیﷺ ان کے فن سے لطف اندوز ہونے کو معیوب نہیں سمجھتے تھے۔ (ص ۳۳)۔ حبشہ کے غلام اور لونڈیاں رقص و موسیقی کے فنون میں مہارت رکھتے تھے۔۔۔ حبشی مردوں اور عورتوں نے نبیﷺ کی موجودگی میں اپنے فن کا مظاہرہ کیا اور آپﷺ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی۔ (ص ۳۵)۔ سیدہ عائشہؓ نے نبیﷺ کی موجودگی میں حبشہ کے ان فنکاروں کا رقص دیکھا (ص ۳۶)۔ <u>حدیث کی کتابوں میں ایسی متعدد روایتیں موجود ہیں جو اس کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔ (ص ۲۰)</u>

اکثر کے متعلق ہم پچھلے صفحات پر بحث کر چکے ہیں۔ کچھ مزید تشریحات درج ذیل ہیں:

اجنبی عورت یا (فن کارہ اور گلوکارہ) سے گانا سننا: قرآن مجید میں حضور نبی کریمﷺ کی بیویوں کے حوالے سے یہ بات بیان ہوئی ہے (الاحزاب ۳۲) نرم لہجے میں (یعنی لوچ دار انداز سے) گفتگو نہ کرو۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ رسولﷺ کی ازواج مطہرات کے لیے تو لوچ دار گفتگو کرنا منع اور دیگر عورتوں کے لیے جائز ہے بلکہ اس کے حکم میں تمام مسلمان عورتیں شامل ہیں، کیوں کہ قرآن مجید قیامت تک کے لیے آنے والے تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔ خاص ازواج مطہرات سے حکم کے آغاز کی یہ حکمت ہے کہ اس حکم قرآنی کی اہمیت واضح ہو۔ یوں جب عورت کے لیے مرد کے سامنے لوچ دار گفتگو بھی جائز نہیں تو پھر انھیں گیت سنانا کیسے جائز ہوسکتا ہے جب کہ گیت اور نغمے وغیرہ اس وقت تک نہیں گائے جا سکتے جب تک کہ ان میں لے، سُر اور لوچ دار انداز اختیار نہ کیا جائے۔ اسی طرح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اجنبی عورتوں حتیٰ کہ باندیوں کے گانے بجانے کے پیشہ و مشغلہ کو رسولﷺ نے ناپسندیدہ قرار دیتے ہوئے ختم فرما دیا۔ آپﷺ کے متعدد فرامین سے اس کا اثبات ہوتا ہے، مثلاً ایک حدیث میں ہے: **لاتبیعوا القینات و لا تشتروھن و لا تعلموھن** (السلسلہ الصحیحہ ح ۲۹۲۲) مغنی لونڈیوں کی خرید و فروخت نہ کرو۔ اور نہ ہی انھیں یہ (ناچ گانے کا فن) سکھاؤ۔

اشراق کے نکات میں یہ بھی شامل ہیں کہ موسیقی اور گانا ناپسند کیا گیا ان مواقعوں پر ☆ عید پر موسیقی اور اجنبی عورتوں کے گانے ☆ جشن کے موقع پر پیشہ ور مغنیات کا گانے ☆ خوشی، شادی کے موقع پر پیشہ ور مغنیات کے گانے۔۔ ہم خاصی تفصیل سے ان امور پر بات کر چکے ہیں۔ بخاری کی حدیث جو

جنگ بعاث کے متعلق ہے اور ہم کافی تفصیل سے بحث کر چکے ہیں اس حدیث کے متعلق اشراق کے شمارہ میں مضمون نگار لکھتے ہیں کہ یہ گیت نبی کریم ﷺ کے گھر میں گائے جا رہے تھے۔۔۔گانے والیاں ماہر فن مغنیات تھیں۔۔۔آپ ﷺ نے گانے والیوں کو گانا گانے سے نہیں روکا۔ بخاری کی اس روایت سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ نبی ﷺ عید کے موقع پر موسیقی کو ناجائز نہیں سمجھتے تھے (ص ۲۱)۔اور اس حدیث پر یہ حاشیہ بھی لگایا ہے کہ: روایت میں **جاریتان** (دو لونڈیاں) کا لفظ استعمال ہوا ہے۔اس سے بعض لوگوں نے بچیاں مراد لیا ہے۔اس میں شبہ نہیں کہ **جاریۃ** کا لفظ بچی کے معنی میں بھی آتا ہے مگر یہاں لازم ہے کہ اس سے لونڈیاں ہی مراد لیا جائے اور لونڈیاں بھی وہ جو ماہر فن مغنیات کی حیثیت سے معروف تھیں۔روایت کے اسلوب بیان کے علاوہ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ دوسرے طریق میں **جاریتان** کے بجائے قینتان کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔قینۃ کا معلوم و معروف معنی پیشہ ور مغنیہ ہے۔

فوری سوال ان حضرات سے یہ کیا جا سکتا ہے کہ جو صحیح روایت ان کے خلاف جائے وہ اسے خلاف عقل، خلاف قرآن یا خلاف مسلمات قرار دے کر رد کر دیتے ہیں۔اور ایسی روایات کو اپنے معنوں سے قبول کرتے ہیں جو ان کو فٹ ہوتی ہوں۔وہ مفہوم جو کہ اللہ کے رسول ﷺ کے سیرت و کردار میں سیاہ دھبہ لگاتی ہیں اور قرآن مجید کے احکام **فلا تخضعن بالقول** اور **یغضو من ابصارھم** وغیرہ کے خلاف جا رہی ہیں۔

بخاری کی حدیث میں **جاریۃ** کا لفظ آیا ہے جس کے معنی بچی بھی ہوتا ہے اور لونڈی بھی۔ اس سے مراد باندیاں (لونڈیاں) لینا غلط ہے اور مزید ستم اسے ماہر مغنیات کہنا ہے۔اور اس کی دلیل یہ پیش کی کہ: ایک روایت میں **جاریتان** کی جگہ **قینتان** کے الفاظ نقل ہوئے ہیں اور **قینۃ** کا معلوم و معروف معنی پیشہ ور مغنیہ ہے۔: حالانکہ اگر اس روایت کی کسی ایک طریق میں **قینتان** کے الفاظ ہی نقل ہوئے ہیں تو بیسوں دیگر طرق میں **جاریاتان من جواری الانصار** کے الفاظ ہی نقل ہوئے ہیں جس کا معنی صرف اور صرف ہی ہے کہ انصار کی لڑکیوں میں سے دو لڑکیاں۔وہ مراجع درج ذیل ہیں جہاں **قینتان** کی بجائے **جاریاتان** یا **جاریاتان من جواری الانصار** کے الفاظ ہیں

بخاری : کتاب العیدین : باب سنة العیدین لاھل الاسلام (ح ۹۵۲)

بخاری : کتاب الجھاد : باب الارق (ح ۲۹۰۶)

بخاری : کتاب المناقب : باب قصة الحبش (ح ۳۵۲۹)

مسلم : کتاب صلاه العیدین : باب الرخصة فی اللعب (۲۰۶۱.۸۹۲)

مسلم : کتاب صلاه العیدین : باب الرخصة فی اللعب (ح ۲۰۶۳)

مسلم : کتاب صلاه العیدین : باب الرخصة فی اللعب (۲۰۶۴)

ابن ماجہ: کتاب النکاح: باب الغناء والدف (ح ۱۸۹۸)

مسند احمد: ص۲۲، ج ۶، رقم الحدیث (۲۳۹۳۱)

مذکورہ آٹھ مقامات پر جاریتان کے الفاظ ہیں اور ان کے مقابلہ میں صرف ایک جگہ قینتان کے الفاظ ہیں جنہیں جاریتان کے مقابلہ میں یا تو مرجوع یا شاذ کہا جائے گا یا پھر ان کا وہ معنی مراد لیا جائے گا جو جاریتان کے منافی نہ ہوں اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں اس سے پیشہ ورگلوکارہ کسی صورت بھی مراد نہیں لیا جاسکتا۔

پھر بعض روایات میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے خود ہی یہ واضح کر دیا کہ یہ گانے والیاں ماہر فن مغنیات ہرگز نہیں تھیں مثلاً صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کے یہ الفاظ موجود ہیں (وعندی جاریتان من جواری الانصار تغنیان .... ولیستا بمغنیتین) میرے پاس انصار کی لڑکیوں میں سے دو لڑکیاں (بچیاں) تھیں جو گا رہی تھیں ۔۔۔۔ وہ مغنیات نہیں تھیں (بخاری ح ۹۵۲)۔اسی طرح صحیح مسلم (ح ۸۹۲) میں حضرت عائشہؓ کے یہی الفاظ ہیں ۔سنن ابن ماجہ (ح ۱۸۹۸) میں بھی یہی الفاظ ہیں۔

یہ دراصل وہ بچیاں تھیں جو حضرت عائشہؓ کی سہلیاں بنی ہوئیں تھیں اور خود سیدہ عائشہؓ کی کی عمر بھی کم تھیں چنانچہ آپؓ ان سہلیوں کے ساتھ مل کر بچوں کی طرح کھیلتیں، ان سے گیت اور نغمے سنتیں، جب آنحضرت ﷺ تشریف لاتے تو یہ بچیاں باہر نکل جاتیں۔اس روایات سے بات کی تائد ہوتی ہے: میں لڑکیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھی، کبھی کبھار ایسا ہوتا کہ اللہ کے رسول ﷺ میرے ہاں تشریف لاتے تو وہ لڑکیاں بھی میرے پاس ہی بیٹھیں ہوتیں، چناچہ جب آپ ﷺ آتے تو وہ لڑکیاں چلی جاتیں اور جب آپ ﷺ باہر نکل جاتے تو وہ لڑکیاں پھر (گھر میں) آجاتیں:(ابو دائود : کتاب الآداب : باب فی اللعب بالبنات ح ۴۹۲۳، صحیح ابن ماجہ ۱۹۸۲). چناچہ متعلقہ قرائن اور

روایات کا سیق وسباق بتا رہا ہے کہ یہ انصار کی بچیاں تھیں جو اپنے آباؤ اجداد کی شان پر مبنی گیت گا رہیں تھیں۔لیکن اس کے باوجود اگر بالفرض یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ یہ بچیاں نہیں بلکہ لونڈیاں تھیں تو اس سے زیادہ سے زیادہ یہی جواز نکل سکتا ہے کہ عید وغیرہ کے موقع پر باندیاں اس نوعیت کی گیت گا سکتی ہیں۔پھر بھی غامدی حضرات کا استدلال ممکن نہیں کیونکہ (۱) یہ عام لونڈیاں تھیں، پیشہ ور مغنیات ہر گز نہیں تھیں جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے خود ہی اس کی وضاحت فرمادی۔(۲) عام لونڈیوں کا گیت سننا سنانا بھی غامدی حضرات کے نزدیک جائز نہیں ہونا چاہیئے کیوں کہ ان کے نزدیک: کسی کو لونڈی اور غلام بنا کر رکھنے کا حق ہمیشہ کے لیے منسوخ ہو چکا ہے (ماہنامہ اشراق، جون، ۲۰۰۱ص۲۴): (۳) لونڈیوں کو دیگر عورتوں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ لونڈیوں کے احکام الگ اور آزاد عورتوں کے الگ ہیں۔خواہ کوئی آزاد وعورت کتنے ہی نچلے طبقہ کی کیوں نہ ہو اسے لونڈی پر بہرحال قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح یہ کوشش کی گئی ہے کہ جشن وتفریح کے مواقع پر پیشہ ور مغنیات کے فن رقص وموسیقی کی اباحت ثابت ہو۔اس سلسلہ میں انھوں نے درج ذیل روایتیں پیش کی ہیں

۱۔ابن عائشہؓ سے روایت ہے کہ: جب نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو عورتوں اور بچیوں نے یہ گیت گایا: آج ہمارے گھر میں وداع کے ٹیلوں سے چاند طلوع ہوا ہے۔ہم پر شکر اس وقت تک واجب ہے، جب تک اللہ کو پکارنے والے اسے نہ پکاریں۔اے نبی، آپ ہمارے پاس ایسا دین لائے ہیں جو لائق اطاعت ہے۔: (السیرہ الحیلہ ج ۲ ص ۲۳۵) (۲) انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں: (شہر میں داخل ہونے کے بعد جب) نبی ﷺ مدینہ کی ایک گلی سے گزرے تو کچھ باندیاں دف بجاکت یہ گیت گا رہی تھیں: ہم بنی نجار کی باندیاں ہیں۔خوشا نصیب کہ آج محمد ﷺ ہمارے ہمسائے بنے ہیں۔(یہ سن کر) نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ جانتا ہے کہ میں تم لوگوں سے محبت کرتا ہوں (اشراق ص۲۴، ۲۵) ۔۔۔اور پھر یہ حاشیہ درج ہے کہ: یہاں جوار کا ترجمہ بچیاں کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ دوسرے طریق میں اس کے بجائے قینات (مغنیات) آیا ہے۔(۳) انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ بنی نضار کے ایک قبیلے کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ کچھ لونڈیاں دف بجا رہی ہیں اور کہہ رہی ہیں کہ ہم بنی نجار کی گانے والیاں ہیں۔ہماری خوش قسمتی ہے کہ آج محمد ﷺ ہمارے ہمسائے بنے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا اللہ جانتا ہے کہ میرے دل میں تمھارے لیے محبت ہے۔(ماہنامہ اشراق

ص ۲۵)۔ آخر میں اشراق میں یہ خلاصہ پیش کیا گیا کہ مدینے میں جشن برپا تھا۔ ہر چھوٹا بڑا آپ ﷺ کی خوشی میں مسرور تھا۔ اس موقع ہر عام عورتوں اور بچوں اور مغنیات نے دف بجا کر استقبالیہ نغمے بھی گائے جنھیں نبی ﷺ نے پسند فرمایا اور گانے والی باندیوں سے شفقت ومحبت کا اظہار فرمایا (اشراق ص ۲۶)۔

مندرجہ بالا روایات میں پہلی اور تیسری روایت ضعیف ہے۔ جو روایت ابن عائشہؒ سے مروی ہے **السیرۃ الحیلۃ** کے حوالے سے، اس میں عوتوں کے گیت گانے کا تو ذکر ہے مگر یہ روایت ضعیف ہے۔ کیونکہ **السیرۃ الحیلۃ** نامی کتاب میں اس کی کوئی سند ہی مزکور نہیں۔ یہ امام بیقھی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ (ج ۲ ص ۵۰۶، ۵۰۷) میں اپنی سند سے روایت کیا ہے اس اسی سند سے ابن کثیر نے البایۃ والنھایۃ (ج ۳ ص ۲۱۱) میں روایت کیا ہے مگر یہ روایت سخت ضعیف ہے جیسا کہ **سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ لابن البانی** ج ۲ ص ۶۳ میں درج ہے۔ جو رایت ۳ ہے وہ المعجم الصغیر کے حوالے سے ہے وہ سخت ضیف ہے مثلاً اس کا ایک راوی مصعب بن سعید ہے اس کے بارے میں امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں یہ ثقہ راویوں کی طرف منسوب کر کے منکر (ضعیف) احادیث روایت کرتا ہے اور ان کے الفاظ میں تبدیلاں کر دیا جاتا ہے۔ (**الکامل، لابن عدیؒ** ج ۶ ص ۲۳۶۶)۔ اسی طرح کے تبصرے ہیں میزان الاعتدال ج ۴ ص ۱۱۹ **الابن ذہبی، الضعفا و المتروکین لابن جوزی** ج ۳ ص ۱۲۳۔ اسی روایت کے ایک اور راوی عوف الاعرابی پر قدری اور رافضی ہونے کی تہمت ہے، بحوالہ امام ذہبی کی کتاب **المغنی فی الضعفاء** ج ۲ ص ۸۰۔ یہ روایت جوار بمعنی لونڈی ثابت کرنے کے لیے لغوی اشتہاد کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ یہ لغوی اشتہاد نہیں ہے بلکہ دینی استنباط کا سوال ہے کہ یہ گیت بچیوں نے گائے ہیں، عورتوں نے یا مغنیات نے۔ اس فیصلہ کے لیے ایسی کمزور روایات سے اشتہاد بہر طور نہیں کیا جا سکتا۔

رسول اللہ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری سے متعلقہ دیگر صحیح روایات کو بھی اکھٹا کر کے جائزہ لیا جائے تب بھی یہ بات سمجھ آتی ہے کی یہاں گیت گانے والی بچیاں تھیں، لونڈیاں یا پیشہ ور مغنیات نہیں تھیں۔ مسلم کی روایت ہے (ح ۲۰۰۹) جب اللہ کے رسول ﷺ مدینہ پہنچے تو مرد اور عورتیں چھتوں پر چڑھ گئے، بچے اور غلام راستوں میں نکل گئے اور یا محمد! یا رسول اللہ! کے نعرے لگانے لگے۔ اور بخاری کی روایت میں ہے کہ لونڈیاں بھی یہ کہنا شروع ہو گئیں کہ اللہ کے رسول ﷺ آ گئے ہیں۔ جب کہ بعض

روایات میں ہے کہ مرد اپنا اسلحہ لے کر باہر نکل آئے۔ (صحیح بخاری ح ۳۹۲۵، ح ۳۹۳۲) ان روایات میں مردوں، عورتوں، بچوں اور لونڈیوں کے بارے میں تو واضح ہو گیا، بچیوں کے متعلق ذکر ابن ماجہ کی روایت میں آ گیا کہ وہ گا رہیں تھیں، اگر جوار سے مراد لونڈیاں لی جائیں تو بھی ثابت نہیں ہوتا کہ پیشہ ور مغنیات اور فنکارہ و گلوکار عورتوں کے گانے جائز ہوتے ہیں۔ بلکہ اس کے جواز کی حد لونڈیوں تک ہی محدود ہو سکتی ہے اور غیر لونڈیوں کو ان پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری روایت میں جوار سے مراد بچیاں ہی لی جائیں گیں۔ باندیاں اور ماہر فن مغنیات ثابت کرنے کے لیے جو روایات پیش کی گئیں ہیں وہ ضعیف ہیں۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں کے اللہ کے رسول ﷺ کے الفاظ بچیوں کے لیے ہیں کیوں کہ ماہر فن مغنیات یا جوان لونڈیوں کے لیے محبت کے الفاظ شان رسالت ﷺ کے منافی اور عقل عام کے خلاف ہے۔ شرط ہے کہ قرآن و سنت کو کسوٹی بنائی جائے نہ کہ قرآن وسنت کو تو محض عقل کی بنیاد پر پرکھا جائے اور ویسا عقل کا استعمال نہ کیا جائے۔

سیدہ عائشہؓ حضور ﷺ کے شانے پر سر رکھ کر بہت دیر تک گانا سنتی اور رقص دیکھتی رہیں۔ اور حبشہ کے غلام اور لونڈیاں رقص و موسیقی کے فنون میں مہارت رکھتے تھے۔ حبشی مردوں اور عورتوں نے نبی ﷺ کی موجودگی میں اپنے فن کا مظاہرہ کیا اور آپ ﷺ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی۔ (ص ۳۵)۔ سیدہ عائشہؓ نے نبی ﷺ کی موجودگی میں حبشہ کے ان فنکاروں کا رقص دیکھا (ص ۳۶) کے تحت ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ ماہر فن مغنی اور مغنیات اور رقاص اور رقاصائیں عرب میں موجود تھیں اور نبی ﷺ ان کے فن سے لطف اندوز ہونے کو معیوب نہیں سمجھتے تھے (ص ۳۳)۔ روایت کے لیے دیکھئے ترمذی رقم ۳۶۹۱، بحوالہ اشراق ص ۳۳، ۳۴۔ یوں پیشہ ور رقاصوں اور رقاصاؤں کے رقص و سرور کو سنت رسول ﷺ ثابت کیا گیا ہے۔

قرآن مجید تو ایک عام مسلمان کو حکم دیتا ہے کہ **یغضو من ابصارھم** (النور ۳۰) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ اور رسول اللہ ﷺ سب سے بڑھ کر اس حکم الٰہی پر عمل کرنے والے تھے۔ کیا آپ ﷺ کے بارے میں اس حکم عدولی (یا کوئی بھی حکم الٰہی کی حکم عدولی) کا کوئی ادنی مسلمان بھی تصور کر سکتا ہے۔ کیا یہ اس نبی ﷺ کی اس سیرت و کردار کے منافی نہیں جس کی عکاسی قرآن مجید نے کی اور گواہی خود خالق نے دی ہے۔ جس نبی ﷺ کی زندگی بعثت و رسالت سے پہلے ان فضولیات سے پاک

تھی، بعثت و رسالت کے بعد اجنبی عورتو کے ناچ گانے دیکھنے کے سیاہ دھبے آخر کیسے لگ گئے۔

اسی اشراق کے شمارہ کے ص ۳۷ میں فہم حدیث کا ضابطہ ہے کہ اس روایت پر بار بار غور کیا جائے گا جس کی کوئی بات عقل و فطرت کے مسلمات کے خلاف محسوس ہو۔ لازمی ہے کہ اس ضابطہ کو عمل میں لایا جائے اور دوسرے ضابطہ کے مطابق قرآن مجید کی روشنی میں روایت کو سمجھنے کی کوشش کی جائے اور دیگر روایات کو جمع کر کے اس کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی جائے۔ ورنہ ہر کوئی ظاہر الفاظ کو بنیاد بنا کر اپنی خواہشات ثابت کر سکتا ہے۔ یہ روایت ترمذی (ح ۳۲۹۱) میں ہے، ترمذی کے عام نسخوں میں حَبَشِية (ایک حبشی عورت) کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔ یہ دراصل حَبَشَة (حبشی لوگ) ہے جو ناسخ مخطوطہ کی غلطی سے حَبَشِية بن گیا۔ یہی روایت اما بخاری کے استاد امام الحمیدیؒ نے اپنے مسند میں (مسند الحمیدی رقم الحدیث ۲۵۴) حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حبشی مردوں کے کھیل کا واقعہ ہے۔ اس سے حبشی مردوں کی جماعت کا جنگی کھیل اور جنگی کرتب مراد ہے جس کی اباحت سے علماء نے کبھی انکار نہیں کیا۔ یہ رقص نہیں تھا بلکہ ایک کھیل کا مظاہرہ تھا۔ مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۱ میں ہے بروایت انسؓ جب اللہ کے رسول ﷺ مدینہ تشریف لائے تو حبشی مردوں نے آپ ﷺ کی آمد کی خوشی میں اپنے آلات حرب کے ساتھ کھیل کا مظاہرہ کیا۔ اس طرح کے مختلف روایات موجود ہیں۔ اور اس کھیل کا مظاہرہ مسجد میں کیا گیا جو کہ لازماً رقص نہ تھا۔

اسی اشراق کے شمارہ میں ص ۴۸ اور ۷۸ میں درج ہے کہ: آلات موسیقی وہاں حرام ہے جہاں اس کے ساتھ شراب کی محفل ہو اور بدکاری کا انتظام ہو اگر یہ مفاسد نہ ہوں تو پھر آلات موسیقی کے ساتھ موسیقی (گان) سننا حرام نہیں:۔ اس بات کی بنیاد اس پر رکھی گئی کہ: عرب میں ناچ گانا اور شراب لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے تھے اور آلات موسیقی درحقیقت عریانی اور فحاشی کی محفلوں کے ساتھ مخصوص تھے۔: نیز درج ہے کہ: اسلام کی رو سے موسیقی اصلاً حرام نہیں ہے۔ یہ فن آلات کے ساتھ یا ان کے بغیر دونوں حالتوں میں مباح ہے۔ نبی ﷺ نے اپنے زمانے میں بدکاری اور شراب نوشی کے مفاسد کی وجہ سے اس کی بعض صورتوں کی شنیع قرار دیا تھا:۔

یہ بات تو درست ہے کہ عرب معاشرے میں ناچ گانے کی محفلیں لگتیں، شراب کا دور چلتا، آلات موسیقی سے جذبات کو بھڑکایا جاتا اور فواحش و بدکاری پر فخری کیا جات۔۔ مگر اس بات کی آخر کیا

دلیل ہے کہ صرف زنا اور شراب کے مفاسد کے پیش نظر مغنیات کے ناچ گانے اور آلات موسیقی کے ساتھ گانا گانے سے منع کیا گیا اور اگر زنا اور شراب کا اہتمام نہ ہو تو پھر یہ سب جائز ہے۔ آخر کون سی قرآنی آیت یا حدیث نبوی ﷺ میں اس حقیقت سے آگاہی کی گیا ہے۔ غور کیا جائے (اگر کیا جائے تو !) کہ آلات موسیقی کے ساتھ مغنیات کا ناچ گانا، عریاں رقص اور جسمانی نمائش وغیرہ ہی تو وہ واحد ذریعہ ہے جو جذبات وخواہشات نفسانی کو بھڑکا کر زناکاری و بدکاری تک پہنچاتا ہے۔ پھر آخر اس اہم ترین ذریعہ کو حرام کیوں نہ ٹھرادیا گیا۔ یہ کیا تضاد کہ ایک طرف اللہ زنا بدکاری کو حرام قرار دیں اور دوسری طرف اس کے تمام ذرائع مثلاً آلات موسیقی کے ساتھ مغنیات کا ناچ گانا وغیرہ کو جائز قرار دے۔۔۔ اور وہ بھی العادل کی ہستی سے۔

ہم پچھلے صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ شریعت کے ضابطہ سد باب ذریعہ۔ یعنی بعض مباحات پر اس وجہ سے پابندی لگادی جاتی ہے کہ اس سے معاشرہ میں میں حرام مشاغل کے نشونما پانے کے لیے چور دروازے کھل سکتے ہیں۔ یہاں تو مباحات سے آگے بڑھ کر حرام والا معاملہ ہے۔ جیسے قرآن مجید کی آیت ولا تقربوا الازنا زنا کے قریب بھی مت جاؤ پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے زنا کو حرام قرار دینے کے علاوہ اس کے مقدمات یعنی اجنبی عورت سے ملنے، لوچ دار باتیں کرنے وغیرہ کو بھی ممنوع ٹھرادیا ہے۔

عرب معاشرے میں یہ سارے ہی مفاسد موجود تھے جن کا ازالہ اس طرح کیا گیا کہ زنا کو تو شروع ہی سے حرام مطلق قرار دے دیا گیا، پھر رفتہ رفتہ شراب کو بھی ناجائز ٹھرادیا گیا۔ پھر ستر وحجاب کے احکام نازل کر کے مخلوط محافل ومجالس کا بھی سد باب کیا گیا اور آلات موسیقی اور گانے بجانے والی لونڈیوں کی خرید وفروخت کو بھی بالآخر ناجائز ٹھرادیا گیا۔

ص ۲۱ اور ۲۲ میں عید اور موسیقی کے جواز کے لیے ایک اور روایت بھی ذکر کی گئی ہے۔ معجم طبرانی کبیر میں بروایت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا۔: عید الفطر کے دن حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ایک لونڈی ہمارے پاس آئی۔ اس کے بال بکھر ہوئے تھے۔ اس کے پاس دف تھا اور وہ گیت گا رہی تھی۔ سیدہ ام سلمہؓ نے اسے ڈانٹا۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: ام سلمہ چھوڑ دو، بے شک ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور آج کے دین ہماری عید ہے۔

یہ روایت پایہ استدلال سے قطعاً ساقط ہے۔معجم طبرانی کبیر کے حاشیہ ہی میں شیخ حمدی حفظہ اللہ نے مجمع الزوائد (ج ۲ ص ۲۰۶) کے حوالے سے وضاحت کردی ہے کہ: اس روایت کی سند میں الوزاع بن نافع راوی متروک ہے۔دیگر علماء کرام نے بھی اس پر کلام کیا ہے،اسے لیس بثقہ کہا ہے۔اما حاکمؒ وغیرہ نے کہا ہے کہ وہ موضوع احادیث روایت کرتا ہے۔

غامدی مکتبہ فکر کے موسیقی کے بارے میں استدلال بہت مختصراً درج کئے گئے ہیں۔اور یہ مواد لیا گیا ہے کتاب: موسیقی حرام نہیں؟: از حافظ مبشر حسین لاہوری۔انتہائی مناسب ہوگا اور اس کتاب کے صفحات ۱۱۰ تا ۱۷۵ اور کتاب کتاب الالام اور موسیقی،شبہات ومغالطات کا ازالہ از ارشاد الحق اثری پڑھ لیے جائیں اس نقطہ نظر کے لیے۔